ماہنامہ خالد ربوہ

ایڈیٹر
خالد مسعود
اگست ۱۹۸۱ء

Korans presented to hotel
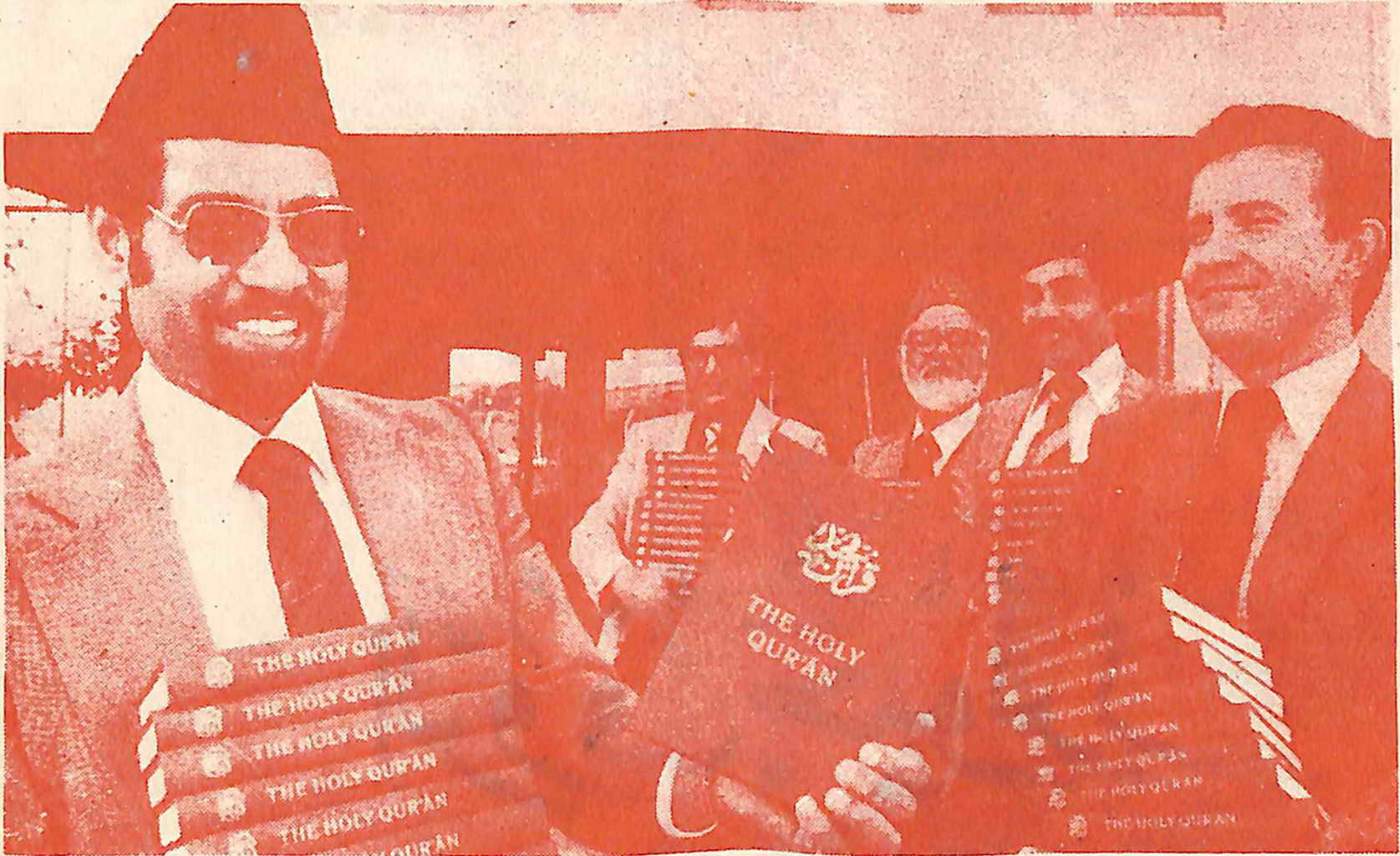
Telegraph & Argus

S No. 34,998 12p BRADFORD SATURDAY JULY 18, 1981

THE NOVOTEL, Bradford, is to have an English translation of the Koran in every room to add to the Bibles already there.

The 138 Korans were presented last night to the manager, Mr. Yves Dupire, by the Ahmadiyya Youth Association's northern region, which hopes to present Korans to other hotels too.

● Picture shows (left to right) Dr. Hamidullah Khan, regional organiser of the Ahmadiyya Youth Association, Mr. Nasir Ahmed Mir, in charge of the association's preaching and publications in Bradford; Mr. Abdul Salam Khan from Pakistan, Mr Abdul Bary Malik, northern general secretary of the association, and Mr. Dupire

اشاعتِ قرآن کریم کی راہ میں ایک اور مبارک قدم

مجلس خدام الاحمدیہ بریڈ فورڈ (انگلستان) کی طرف سے بریڈ فورڈ کے ایک بڑے ہوٹل دی نووو ٹل کے کمروں میں قرآن کریم کے نسخے رکھوانے کے لئے ۱۳۸ نسخے ہوٹل کے مینیجر کے حوالے کئے گئے۔ اس سے قبل اس ہوٹل کے تمام کمروں میں محض بائیبل کے نسخے موجود تھے ـــــ مجلس بریڈ فورڈ کی کوشش سے اب اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام بھی ان کمروں میں طالبانِ حق کو راہِ ہدایت دکھانے کے لئے موجود ہوگا ـــــ ہم مجلس بریڈ فورڈ کی اِس مبارک کوشش کو بڑی تحسین کی نظر سے دیکھتے ہوئے ان کے لئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جناب سے جزائے خیر عطا فرمائے اور بھرپور خدمت کی توفیق بخشے۔ آمین ؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
اِستبقوا الخیرات

تیری عاجزانہ راہیں اُس کو پسند آئیں

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

جلد ۲۸ ——— شمارہ ۱۰

ماہنامہ

خالد

ربوہ

ظہور ۱۳۶۰ ہش — اگست ۱۹۸۱ء

ایڈیٹر
خالد مسعود ایم اے
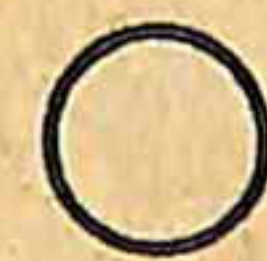
نائبین
منصور احمد عارف ، محمود احمد اشرف

الفہرست

پبلشر : مبارک احمد خالد
پرنٹر : سید عبدالحی
مطبع : ضیاء الاسلام پریس ربوہ
مقامِ اشاعت : دفتر ماہنامہ "خالد"
دارالصدر جنوبی - ربوہ

— قیمت سالانہ —
پندرہ روپے
فی پرچہ
ایک روپیہ پچاس پیسے

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۸۳۰

درس

"تیری عاجزانہ راہیں اُس کو پسند آئیں"

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ٥ (الفرقان آیت ۶۴)

اور رحمن کے (سچے) بندے وہ ہوتے ہیں جو زمین پر آرام سے چلتے ہیں (یعنی تکبر کے ساتھ نہیں چلتے) اور جب جاہل لوگ اُن سے مخاطب ہوتے ہیں (یعنی جہالت کی باتیں کرتے ہیں)، تو وہ (لڑتے نہیں بلکہ) کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے لیے سلامتی کی دُعا کرتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم "اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِمَنْ یَحْرُمُ عَلَی النَّارِ۔ اَوْ بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَیْہِ النَّارُ؟ تَحْرُمُ عَلٰی کُلِّ قَرِیْبٍ ھَیِّنٍ لَیِّنٍ سَھْلٍ — (ترمذی صفة القیمة صے)

حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا مَیں تم کو بتاؤں کہ آگ کس پر حرام ہے؟ وہ حرام ہے ہر اُس شخص پر جو لوگوں کے قریب رہتا ہے یعنی نفرت نہیں کرتا، ان سے نرم سلوک کرتا ہے اور ان کے لیئے آسانی مہیا کرتا ہے اور سہولت پسند ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے فرمایا:-

"تم اے عزیزو! ان باتوں کو یاد رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی پہلو سے خدا تعالیٰ کی نظر میں متکبر ٹھہر جاؤ اور تم کو خبر نہ ہو۔ ایک شخص جو اپنے بھائی کے ایک غلط لفظ کی تکبر کے ساتھ تصحیح کرتا ہے اُس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو اپنے بھائی کی بات کو تواضع سے سُننا نہیں چاہتا اور مُنہ پھیر لیتا ہے اُس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک غریب بھائی جو اُس کے پاس بیٹھا ہے اور وہ کراہت کرتا ہے اُس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو دُعا کرنے والے کو ٹھٹھے اور ہنسی سے دیکھتا ہے اُس نے بھی تکبر سے ایک حصہ لیا ہے — تم اپنے خدا سے ڈرو، پاک دل ہو جاؤ اور پاک ارادہ اور غریب اور مسکین اور بے شر تا تم پر رحم ہو۔"

(نزول المسیح صفحہ ۲۵)

(۲) "اُس کی توحید زمین پر پھیلانے کے لئے اپنی تمام طاقت سے کوشش

بقیہ صفحہ ۴۸

تفسیر القران کے سات معیار

حضرت اقدس فرماتے ہیں

اول معیار تفسیر صحیح کا شواہد قرآنی ہیں - یہ بات نہایت توجہ سے یاد رکھنی چاہیے کہ قران کریم اور معمولی کتابوں کی طرح نہیں جو اپنی صداقتوں کے ثبوت یا انکشاف کے لئے دوسرے کا محتاج ہو۔وہ ایک ایسی متناسب عمارت کی طرح ہے جسکی ایک اینٹ ہلانے سے تمام عمارت کی شکل بگڑجاتی ہے ۔اسکی کوئی صداقت ایسی نہیں ہے جو کم سے کم دس یا بیس شاہد اسکے خود اسی میں موجود نہ ہوں سو اگر ہم قران کریم کی ایک آیت کے ایک معنی کریں تو ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ان معنوں کی تصدیق کے لئے دوسرے شواہد قران کریم سے ملتے ہیں یا نہیں اگر دوسرے شواہد دستیاب نہ ہوں بلکہ ان معنی کی دوسری آیتوں سے صریح معارض پائے جاویں تو ہمیں سمجھنا چاہیے کہ وہ معنی بالکل باطل ہیں کیونکہ ممکن نہیں کہ قران کریم میں اختلاف ہو۔ اور سچے معنوں کی یہی نشانی ہے کہ قران کریم میں سے ایک لشکر شواہد بینہ کا اس کا مصدق ہو۔

دوسرا معیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ سب سے زیادہ قران کریم کے معنی سمجھنے والے ہمارے پیارے اور بزرگ نبی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے - پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تفسیر ثابت ہوجائے تو مسلمان کا فرض ہے کہ بلاتوقف اور بلادغدغہ قبول کرے - نہیں تو اس میں الحاد اور فلسفیت کی رگ ہوگی ۔

تیسرا معیار صحابہ کی تفسیر ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت کے نوروں کو حاصل کرنے والے اور علم نبوت کے پہلے وارث تھے اور خداتعالیٰ کا ان پر بڑا فضل تھا اور نصرت الہی ان کی قوت مدرکہ کے ساتھ تھی کیونکہ ان کا نہ صرف قال بلکہ حال تھا ۔

چوتھا معیار خود اپنا نفس مطہر لے کر قرآن کریم میں غور کرنا ہے ۔کیونکہ نفس مطہرہ سے قرآن کریم کی مناسبت ہے ۔اللہ جل شانہ فرماتا ہے لایمسّہ الاّ المطہّرون یعنی قرآن کریم کے حقائق صرف ان پر کھلتے ہیں جو پاک دل ہوں۔

کیونکہ مطہّر القلب انسان پر قرآن کریم کے پاک معارف بوجہ مناسبت کھل جاتے ہیں اور وہ ان کو شناخت کرلیتا ہے اور سونگھ لیتا ہے اور اس کا دل بول اٹھتا ہے کہ ہاں یہی راہ سچّی ہے اور اس کا نور قلب سچائی کی پرکھ کے لئے ایک عمدہ معیار ہوتا ہے۔ پس جب تک انسان صاحب حال نہ ہو اور اس تنگ راہ سے گزرنے والا نہ ہو جس سے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں تب تک مناسب ہے کہ گستاخی اور تکبّر کی جہت سے مفسّرالقرآن نہ بن بیٹھے ورنہ وہ تفسیر بالرائے ہوگی جس سے نبی علیہ اسلام نے منع فرمایا ہے اور کہا ہے کہ من فسرّ القرآن برایہ فاصاب فقد اخطاء یعنی جس نے صرف اپنی رائے سے قرآن کریم کی تفسیر کی اور اپنے خیال میں اچھی کی تب بھی اس نے بری تفسیر کی۔

پانچواں معیار لغت عرب بھی ہے لیکن قرآن کریم نے اپنے وسائل آپ اس قدر قائم کردیے ہیں کہ چنداں لغات عرب کی تفتیش کی حاجت نہیں ہاں موجب زیادت بصیرت بے شک ہے بلکہ بعض اوقات قرآن کریم کے اسرار مخفیہ کی طرف لغت کھودنے سے توجہ پیدا ہوجاتی ہے۔ اور ایک بھید کی بات نکل آتی ہے۔

چھٹا معیار روحانی سلسلہ کے سمجھنے کے لئے سلسلہ جسمانی ہے کیونکہ خداوند تعالی کے دونوں سلسلوں میں بکلّی تطابق ہے۔

ساتواں معیار وحی ولایت اور مکاشفات محدثین ہیں۔ اور یہ معیار گویا تمام معیاروں پر حاوی ہے کیونکہ صاحب وحی محدثیّت اپنے نبی متبوع کا پورا ہمرنگ ہوتا ہے۔ اور بغیر نبوّت اور تجدید احکام کے وہ سب باتیں اسکو دی جاتی ہیں جو نبی کو دی جاتی ہیں۔ اور اس پر یقینی طور پر سچّی تعلیم ظاہر کی جاتی ہے اور نہ صرف اسقدر بلکہ اس پر وہ سب امور بطور انعام و اکرام کے وارد ہوجاتے ہیں جو نبی متبوع پر وارد ہوتے ہیں۔ سو اس کا بیان محض اٹکلیں نہیں ہوتیں بلکہ وہ دیکھ کر کہتا ہے اور سن کر بولتا ہے۔

(برکات الدعاء صفحہ 15 تا صفحہ 17)

تحریکِ پاکستان میں
چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا کردار

(جناب یوسف سہیل شوق ۔ ربوہ)

چوبیس سال کا ایک نوخیز مگر ذہین نوجوان
جو حال ہی میں سمندر پار سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے

لوٹا تھا ایک اہم مرحلے کے لیے خود کو تیار کر رہا
تھا۔ آج اسے ایک انوکھے تجربے سے دوچار ہونا
تھا۔ کام تو بظاہر کوئی ایسا مشکل نہ تھا لیکن واسطہ دو
بہت بڑی شخصیات سے تھا۔ ایک شخصیت ہندوستان
کی حکمرانِ اعلیٰ اور دوسری دنیائے روحانیت کا
ظلِ جلیل۔ پہلی شخصیت برطانیہ کے وزیرِ ہند مسٹر

مانٹیگو کی تھی جس پر اُن دنوں میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا اور دوسری عظیم المرتبت شخصیت قدرتِ ثانیہ کے دوسرے مظہر مصلح موعود سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی تھی۔ اس نوجوان کو ان دونوں شخصیات کے درمیان ترجمانی کا فریضہ بجا لانا تھا۔ نوآموز نوجوان پریشان تھا لیکن اُس کی خود اعتمادی اُسے سہارا دیتی تھی گفتگو شروع ہوئی اور ہندوستان کی آزادی کی طرف پہلے قدم کے طور پر آئینی اصلاحات کے پیچیدہ اور دقیق مسائل کی ترجمانی یہ ذہین نوجوان بڑے اعتماد سے کرتا رہا۔ آخر کار گفتگو ختم ہوئی اور نوجوان کی اس وقت جان میں جان آئی جب اُس کے روحانی آقا نے اس کی ترجمانی پر اظہارِ خوشنودی فرماتے ہوئے محبت اور ستائش بھری نگاہ اس نوجوان پر ڈالی ــــــ!

۲۴ سال کی عمر میں تحریک پاکستان کے سلسلہ میں اپنا سفر شروع کرنے والے یہ نوجوان چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان تھے جن کی خداداد صلاحیتوں کا آفتاب تھوڑے ہی عرصہ بعد نصف النہار پر کچھ اس طرح چمکا کہ بانیٔ پاکستان جناب قائدِ اعظم محمد علی جناح نے بھی برملا اعتراف کیا کہ :

"ظفر اللہ خان کا دماغ خداوندِ
کریم کا زبردست انعام ہے"
("مسلم آواز" کراچی جون ۱۹۵۲ء
"الفضل ۲۲ جون ۱۹۵۲ء)

اسی طرح ایک اور موقعہ پر ازراہِ محبت و ستائش یوں فرمایا :

"ظفر اللہ کی تعریف میں میرا کچھ
کہنا ایسا ہی ہے جیسا ایک باپ
کا اپنے بیٹے کی ستائش کرنا"
("تحدیثِ نعمت" صفحہ ۴۰۲)

جناب قائدِ اعظم کا یہ ارشاد ۱۹۳۹ء کا ہے جبکہ ابھی جماعت احمدیہ کے اس مایۂ ناز سپوت کی خداداد صلاحیتوں کا چرچا اندرونِ مُلک ہی تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد اس نابغۂ روزگار وجود کی شہرت کی چکا چوند نے دُنیا بھر کی نگاہوں کو خیرہ کر دیا اور یورپ کے علاوہ اسلامی دُنیا کی بھی محبوب ہستی قرار پائی۔ (اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور صحت میں غیر معمولی برکت دے۔ آمین)

زیرِ نظر مضمون میں حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی زندگی کے صرف اُس حصے کا مختصر تذکرہ مقصود ہے جہاں آپ نے تحریکِ پاکستان میں ٹھوس کردار بھی ادا کیا اور گرمجوشی سے حصہ بھی لیا۔ آپ کی زندگی کا یہ حصہ اتنے ٹھوس کاموں پر مشتمل ہے کہ بیسیوں سیاست دانوں کی ہوائی تقریریں، جیلیں اور بھوک ہڑتالیں اس کے مقابلے پر پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتیں۔ اور یہ حیران کُن انکشاف ہوتا ہے کہ تحریکِ پاکستان کے بعض نازک مراحل محض چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی وجہ سے ایک فیصلہ کُن موڑ اختیار کر گئے اور متعدد مواقع پر کبھی پسِ پردہ اور کبھی سامنے آکر آپ نے تحریکِ پاکستان میں اہم

کردار ادا کیا۔ اس پر تفصیلی نظر ڈالنے سے کتنی ہی گمشدہ کڑیوں کا سُراغ مل جاتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان انگریز نے بھیک میں نہیں دیا بلکہ ان سے بزور چھینا گیا ہے۔ اور اس جدّوجہد میں نمایاں کردار حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا تھا۔

آئینی اصلاحات کے لئے وزیرِ ہند مسٹر مانٹیگو کا یہ دَورہ ۱۹۱۷ء کا واقعہ ہے ہندوستان کو آئینی اصلاحات دینے کے لئے جماعت احمدیہ کی طرف سے ایک وفد انہیں ملا۔ اس وفد کی طرف سے سیّدنا حضرت مصلح موعود کے لکھے ہوئے ایڈریس کا انگریزی ترجمہ حضرت چوہدری صاحب نے کیا اور آپ نے ہی وزیرِ موصوف کے رُوبرو پڑھ کر سُنایا۔

برطانیہ جانے والے پہلے مسلمان

یہ وہ دَور تھا جبکہ کانگرس کے ہندو ہر سال برطانیہ کا چکر لگاتے اور انگریزوں سے تعلقات بڑھا رہے تھے۔ اس سال پنجاب کونسل نے فیصلہ کیا کہ ان کا ایک نمائندہ بھی برطانیہ جائے۔ چنانچہ حضرت چوہدری صاحب جو کہ اُس وقت پنجاب کونسل کے رُکن تھے اس کام کے لئے منتخب ہوئے۔ چنانچہ آپ برطانیہ گئے۔ چوٹی کی شخصیات سے ملے اور ہندوستان کے آئندہ آئینی دستور کے لئے مسلمانوں کا موقف انگریزوں کے سامنے پیش کیا۔ اس کام میں لندن کی مسجد کے امام مولانا عبدالرحیم صاحب درد نے چوہدری صاحب کی خصوصی معاونت کی۔ سیدنا حضرت مصلح موعود نے حضرت چوہدری صاحب کے اس دَورے کو بطور خاص سراہا۔ آپ نے فرمایا:

> "ہندو اس امر کو سمجھ چکے ہیں کہ ہندوستان کا مستقبل انگریز قوم سے تعلق رکھتا ہے اور ان کے لیڈر برابر آٹھ سال سے گرمیوں میں انگلستان جاتے ہیں اور بڑے بڑے انگریزوں سے ہندوؤں کے فائدہ کی باتیں کر کرکے انہیں اپنا ہم خیال بنا چکے ہیں .... مگر مسلمانوں کے پاس نہ دولت ہے نہ ان کے اندر قربانی کا مادّہ۔ چنانچہ وہ اس آٹھ سال کے عرصہ میں بالکل سوتے رہے ہیں اور صرف اس سال عزیزم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب احمدی بیرسٹر لاہور ممبر پنجاب کونسل ..... اس غرض سے ولایت گئے تھے اور انہیں کئی بڑے بڑے آدمیوں نے کہا کہ ہمیں تو آج ہی معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کے حقوق کی جُداگانہ حفاظت کی ضرورت ہے۔ ورنہ ہم تو یہ خیال کرتے تھے کہ ہندو لیڈر جو باتیں کہتے رہتے ہیں مسلمان ان سے متفق ہیں"
>
> (تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۶۲۵)

اس طرح سے حضرت چوہدری صاحب مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی شخصیت تھے جنہوں نے خالصتاً مسلمانانِ ہند کے آئینی مسائل پر انگریزوں کو رام کرنے کے لئے برطانیہ کا کامیاب دورہ کیا اور یوں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے اس کام کی داغ بیل ڈالی جو بعد ازاں پاکستان کے مطالبے اور پاکستان کے وجود کی شکل میں ڈھل گئی۔

سائمن کمشن کے سامنے نمایاں ہندوستانی شخصیت

۱۹۲۷ء ہی میں ہندوستان کی آئینی اصلاحات کے لئے برطانیہ کی طرف سے ایک کمشن بھیجا گیا جسے سائمن کمشن کہتے ہیں۔ چونکہ اس میں کوئی ہندوستانی شامل نہیں تھا اس لئے ہندوستان کی تمام سیاسی پارٹیوں نے اس کمشن کو مسترد کر کے اس سے عدم تعاون کا اعلان کیا اور اس کے خلاف مظاہرے کئے گئے۔ بعد میں حکومت نے اعلان کیا کہ اس کمشن کے ساتھ ہندوستانی وغیر ہندوستانی ارکان پر مشتمل ایک مرکزی کمیٹی اور ہر صوبے میں ایک صوبائی کمیٹی بھی شامل ہوگی جو اپنی رپورٹ کمشن کو پیش کرے گی۔

پنجاب کی کونسل میں جب صوبائی کمیٹی کے قیام کا سوال اٹھا تو سب اراکین نے کسی ایسی کمیٹی کے قیام کی سختی سے مخالفت کی اور اس مخالفت میں بڑی دھواں دھار جوشیلی تقاریر کیں۔ آخر میں حضرت چوہدری صاحب کھڑے ہوئے اور اپنے مخصوص انداز خطابت سے یہ ثابت کیا کہ اس کمیٹی کا قیام کمشن میں ہندوستانی رکن کی رکنیت کا بدل تو نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ہمیں کمشن کی کارروائی سے کسی اچھے نتیجے کی امید ہے لیکن چونکہ ہمارے تعاون سے کوئی نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ کمشن کے انگریز اراکین تک بعض ایسی باتیں پہنچ جائیں جو عدم تعاون کی صورت میں نہ پہنچ سکیں۔ اس لئے کمیٹی کے قیام اور سائمن کمشن سے تعاون میں کوئی ہرج نہیں۔ محترم چوہدری صاحب کی تقریر سے پانسہ پلٹ گیا اور سات ارکان پر مشتمل صوبائی کمیٹی قائم ہو گئی جس کے صدر سردار سکندر حیات خان صاحب اور محترم چوہدری صاحب بھی اس کے رکن تھے۔ اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور جداگانہ انتخاب کا مسئلہ پورے زور کے ساتھ پیش کیا۔

کمشن جب لاہور آیا تو عوام کی طرف سے عدم تعاون کی فضا کے باوجود طبعاً اسے کمشن کی کارروائی سے بڑی دلچسپی پیدا ہوئی۔ اس موقع پر پنجاب کونسل کی کمیٹی کے اراکین میں حضرت چوہدری صاحب اپنی طبعی ذہانت اور قوتِ خطابت کی وجہ سے سب سے زیادہ نمایاں رہے۔ لاہور کے بااثر انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے آپ کا جس طرح سے ذکر کیا وہ ملاحظہ ہو۔ ۵ نومبر ۱۹۲۸ء کی اشاعت میں لکھا:-

"شہادت دینے والوں پر جرح کرنے کے باب میں ایک نمایاں

شخصیت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کی ہے۔ آپ داڑھی رکھے ہوتے ہیں۔ آپ کوئی دُور از کار بات نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ مطلب کی بات کہتے ہیں اور اِس لحاظ سے آپ سر آرتھر فروم سے مشابہ ہیں یعنی آپ کی آواز پُرشوکت ہے اور نہایت برجستہ تقریر کرنے والے ہیں۔"

(بحوالہ الفضل ۹ر نومبر ۱۹۳۰ء)

گول میز کانفرنسوں کا ہیرو

ہندوستان کے عوام کی آئینی جدوجہد میں گول میز کانفرنسوں (نومبر ۱۹۳۰ء تا دسمبر ۱۹۳۲ء) کا کردار بہت اہم ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجے میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء نافذ ہوا جس نے ہندوستان کے لوگوں کو آزادی کا رستہ دکھا دیا۔ حضرت چوہدری صاحب نے ان تینوں کانفرنسوں میں شرکت کی۔ حضرت چوہدری صاحب عمر میں قائد اعظم، علامہ اقبال اور سر آغا خاں تینوں سے چھوٹے تھے۔ پہلی کانفرنس کے وقت چوہدری صاحب کی عمر صرف ۳۸ سال تھی لیکن عملاً چوہدری صاحب مسلمان نمائندے کی حیثیت میں کانفرنس پر چھائے رہے۔ حضرت چوہدری صاحب نے سیدنا حضرت مصلح موعود کی ہدایات و رہنمائی کے مطابق نہایت احسن رنگ میں مسلمانوں کے مقاصد کی وکالت کی جس کے نتیجے میں ہندوستان بھر میں آپ کی دھوم مچ گئی۔ تیسری کانفرنس میں مسلمان وفد کے رسمی قائد سر آغا خاں ہی تھے جو چوہدری صاحب کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہ اُٹھاتے اور حکومت میں ہونے کی وجہ سے انگریزوں کو بھی آپ کی بات توجہ سے سُننی پڑتی۔ اِس طرح مسلمان وفد کی قیادت عملاً چوہدری صاحب کے ہاتھ میں تھی۔ جنہیں پُوری کامیابی سے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا موقعہ ملا۔

گول میز کانفرنس چوہدری صاحب کی صلاحیتوں کا ایک ایسا امتحان تھا جس میں سے آپ پوری کامیابی سے سرخرو ہوئے۔ ہندوستان کے اخباروں نے آپ کی تعریفوں کے پُل باندھ دیئے اور آپ کو مسلّمہ طور پر مسلمانانِ ہند کے حقوق کا علمبردار تسلیم کیا گیا۔ آخری کانفرنس کے بعد جب حضرت چوہدری صاحب وطن واپس آئے تو ملک بھر میں آپ کا پُرتپاک خیرمقدم کیا گیا۔ (الفضل ۱۸ر دسمبر ۱۹۳۲ء)

یہ کانفرنس چوہدری صاحب کی عوامی مقبولیت میں نمایاں اضافے کا باعث بنی۔ چنانچہ چند ماہ کے بعد آپ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں (جسے ہندوستان کی مرکزی کابینہ سمجھنا چاہیئے) مشہور مسلمان رہنما سر میاں فضل حسین کی جگہ ممبر منتخب کر لئے گئے۔

ہندوستان کے اخبارات نے گول میز کانفرنسوں کے اس ہیرو کی خدمات کا اعتراف کیا۔

۱۔ برصغیر کے نامور صحافی، ادیب اور دینی لیڈر جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے اخبار "منادی" ۲۴ر اکتوبر ۱۹۳۴ء میں اپنے مخصوص انداز

میں حضرت چوہدری صاحب کی یوں تصویر کشی کی :۔
"دراز قد، مضبوط اور بھاری جسم
عمر چالیس سے زیادہ، گندمی رنگ،
چوڑا چکلا چہرہ، فراخ چشم، فراخ
عقل، فراخ علم اور فراخ عمل، قوم
مسلمان، عقیدہ قادیانی چُپ رہتے
ہیں اور بولتے ہیں تو کانٹے میں تول کر
اور بہت احتیاط کے ساتھ پُورا تول کر
بولتے ہیں۔ سیاسی عقل ہندوستان
کے ہر مسلمان سے زیادہ رکھتے ہیں۔ ...
... گول میز کانفرنس میں ہر ہندو اور
مسلمان اور ہر انگریز نے چوہدری
ظفر اللہ خان کی لیاقت کو مانا اور
کہا کہ مسلمانوں میں اگر کوئی ایسا آدمی
ہے جو فضول اور بے کار بات زبان
سے نہیں نکالتا اور نئے زمانے کی
پالیٹکس پیچیدہ کو اچھی طرح سمجھتا ہے
تو وہ چوہدری ظفر اللہ ہے ....
ظفر اللہ ہر انسانی عیب سے پاک
اور بے لوث ہے ۔" (بحوالہ "الفضل"
۱۳ / نومبر ۱۹۳۴ء صٹ کالم ۳)

۲۔ مسلمانوں کے مقتدر اخبار "سیاست"
کے ایڈیٹر سید حبیب صاحب نے ۹/ اکتوبر ۱۹۳۵ء
کی اشاعت میں لکھا :۔
"انہوں نے لندن میں اپنا اور

مسلمانوں کا نام روشن کیا۔ سر
آغا خاں اور دوسرے مسلمان ان

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب (آگے) اور علامہ اقبال (پیچھے)
گول میز کانفرنس کے اجلاس میں شریک ہونے کیلئے جا رہے ہیں۔

کی قابلیت، محنت، جانفشانی اور
مفادِ اسلام کے لئے ان کی عرقریزی

کے مدّاح رہے۔"

۳۔ تحریکِ پاکستان کے ممتاز مورخ ڈاکٹر عاشق حسین صاحب بٹالوی گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال اور چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کا موازنہ یوں کرتے ہیں :۔

"ڈاکٹر صاحب ...... عملی سیاست دان نہ تھے .... انہیں ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن جانا پڑا۔
.... گول میز کانفرنس سے تو وہ اس قدر برگشتہ خاطر ہوئے تھے کہ استعفےٰ دے کر واپس چلے آئے۔
..... اور گول میز کانفرنس کے مسلمان مندوبین میں سے سب سے زیادہ کامیاب آغا خان اور چوہدری ظفر اللہ خاں ثابت ہوئے۔"

(اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۱۵۱)

۴۔ ہندو اخبار تیج نے اپنے نامہ نگار متعین لندن کے حوالے سے لکھا :۔

"مسلم ڈیلی گیٹوں میں چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے خاص شہرت حاصل کرلی ہے .... وہ اپنی قابلیت کے باعث سر محمد شفیع، مسٹر جناح اور ڈاکٹر شفاعت احمد خاں پر سبقت لے گئے ہیں۔"

(بحوالہ الفضل ۷ رفروری ۱۹۵۲ء)

وطن واپسی پر شاندار استقبال

تیسری گول میز کانفرنس سے واپسی پر حضرت چوہدری صاحب کا جو عدیم المثال استقبال کیا گیا وہ اس بات کو اچھی طرح واضح کر دیتا ہے کہ گول میز کانفرنسوں میں حضرت چوہدری صاحب کا کردار نہایت غیر معمولی اور اہم تھا اور آپ نے ملّتِ اسلامیہ کی ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں۔

گول میز کانفرنسوں سے فارغ ہونے کے بعد چوہدری صاحب موصوف ۱۹ رجنوری ۱۹۳۳ء کو لندن سے بمبئی پہنچے۔ بندرگاہ پر احمدیوں کے علاوہ بعض مشہور مسلمان شخصیتوں نے بھی آپ کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ یہاں سے بذریعہ ٹرین دہلی روانہ ہوگئے۔ ۲۲ رجنوری کو دہلی سے بذریعہ ٹرین قادیان پہنچے۔ سیّدنا حضرت مصلح موعود آپ کا استقبال کرنے کے لئے بنفسِ نفیس ریلوے سٹیشن پر موجود تھے حضور کے ہمراہ دوپہر کا کھانا تناول کرنے کے بعد چوہدری صاحب لاہور روانہ ہوئے۔ لاہور اسٹیشن پر

مسلمانوں کے سرکردہ لیڈر حضرت چوہدری صاحب کے استقبال کے لئے جمع تھے۔ جن نمایاں لوگوں نے آپ کا استقبال کیا ہندو اخبار "ملاپ" لاہور کی ۲۵ر جنوری ۱۹۳۳ء کی اشاعت کے مطابق پنجاب کونسل کے صدر چوہدری سر شہاب الدین صاحب، لاہور ہائی کورٹ کے جج سر عبدالقادر، پنجاب کے سابق قائم مقام گورنر اور ریونیو ممبر حکومت پنجاب سردار سکندر حیات خان شامل تھے اور اخبار نے اپنے تفصیلی نوٹ میں لکھا:۔

"پلیٹ فارم نمبر ۲ پر ایک اور ہی نقشہ نظر آیا۔ جدھر دیکھو ترکی ٹوپیوں والے ہار ہاتھوں میں لئے پھر رہے ہیں"

اس کے بعد اخبار نے لکھا:۔

"یہ سب صاحبان چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے استقبال کے لئے جمع ہوئے تھے۔ چوہدری صاحب لنڈن سے آرہے تھے مگر گاڑی گورداسپور سے آرہی تھی۔ حیرت ہوئی کہ آخر گورداسپور کی گاڑی میں آنے کا کیا مطلب؟ معلوم ہوا کہ آپ پنجاب میں قدم رکھنے کے بعد اپنے خویش و اقارب کو ملنے سے پہلے اپنے پیر و مرشد خلیفہ قادیان کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے قادیان تشریف لے گئے تھے"

چوہدری صاحب کی زندگی کے مطالعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپ کی عمر بھر کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا راز آپ کی دینِ اسلام سے وابستگی اور اپنے امام سے ٹھوس اور اطاعت شعار رابطہ اور تعلق میں مضمر ہے۔

اس کے بعد چوہدری صاحب گول میز کانفرنسوں کی پارلیمانی کمیٹی میں شرکت کے لئے دوبارہ انگلستان گئے اور اس سال کے اخیر میں دسمبر ۱۹۳۳ء کے دوسرے ہفتے میں واپس تشریف لائے تو ایک بار پھر اسلامیانِ ہند نے آپ کے سامنے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیئے اور گول میز کانفرنسوں

میں آپ کی عالی ہمتی اور اعلیٰ خدمات کے سلسلے میں آپ کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔

آپ کی آمد اور استقبال کے متعلق چند اخبارات کی رائے ملاحظہ ہو۔

● اخبار "عادل" (دہلی) ۱۳ر دسمبر ۱۹۳۳ء :-

"۹ر دسمبر (دہلی) آج رات کو نو بجے فرنٹیر میل سے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب راؤنڈ ٹیبل کانفرنس سے واپس تشریف لائے۔ دہلی اسٹیشن پر مسلمانوں کا ایک جم غفیر استقبال کے لئے موجود تھا جن میں حسب ذیل اصحاب خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ آنریبل میاں سر فضل حسین صاحب ممبر گورنمنٹ ہند۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب سی آئی ای ممبر اسمبلی۔ مولانا شفیع داؤدی صاحب ممبر اسمبلی۔ .... حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب۔ خان بہادر حافظ عبدالحکیم صاحب میر منشی کمانڈر انچیف خانصاحب میر نواب علی۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے ممبرانِ اسمبلی کی طرف سے اور حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے دہلی کے مسلمانوں کی طرف سے سنہری ہار پہنائے۔"

(عادل ۱۳ر دسمبر ۱۹۳۳ء)

● جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے روزنامہ "عادل" ۱۳ر دسمبر ۱۹۳۳ء کے صفحہ اوّل پر "مسلم سیاست کی دو آنکھیں میاں سر فضل حسین اور چوہدری ظفر اللہ خان" کے عنوان کے تحت لکھا :-

"اگر خدا نے ہندو قوم کو گاندھی اور جواہر لال اور مالوی جیسے مخلص اور لائق لیڈر دیئے ہیں تو مسلمانوں کو بھی میاں سر فضل حسین اور چوہدری ظفر اللہ جیسے سراپا اخلاص اور لیاقت سے بھرپور لیڈر عطا فرمائے ہیں۔

یہ دونوں مسلمانوں کی سیاست کی دو آنکھیں ہیں بلکہ دو سانس ہیں جو بظاہر دو ہیں مگر درحقیقت ایک ہی ہیں۔ اور مسلمان قوم اِن دونوں کے وجود پر فخر کرتی ہے اور اللہ تعالےٰ کی شکر گزار ہے کہ اُس نے اِس قحط الرجال میں ایسے رہنما اسکو دیئے ہیں جو حریفوں میں بھی بے مثل مانے جاتے ہیں۔

میاں سر فضل حسین نے ہندوستان میں اور چوہدری ظفر اللہ نے انگلستان میں مسلمانوں کی بیکس قوم کی جو سیاسی خدمات انجام دی ہیں ان کو موجودہ مسلمانانِ ہند اور ان کی آئندہ نسلیں ہمیشہ یاد رکھیں گی۔ آج چوہدری

ظفر اللہ خاں صاحب اپنی مسلمان قوم کی خدمات انجام دیکر انگلستان سے واپس آئے ہیں اور پایۂ تخت دہلی کے مسلمان تمام مسلمانانِ ہند کی طرف سے اپنی آنکھوں کا فرش ان کے راستہ میں بچھاتے ہیں۔

حسن نظامی۔ ۹ر دسمبر ۱۹۳۲ء"

• اخبار "سیاست" لاہور ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۲ء:۔

" حقیقت یہ ہے اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حکومتِ ہند نے اگرچہ مسلمانوں کو پارلیمنٹ کی ہندوستان کے متعلق مجلسِ منتخبہ مشترکہ کے لئے نمائندے چُننے کا حق نہیں دیا تاہم اس نے خود ایسے مسلمان چُنے جنہوں نے مسلمانوں کی نمائندگی کا حق کما حقّہٗ ادا کیا۔ تمام مُسلم نمائندے جس اتحاد و یگانگت سے کام کرتے رہے ہیں وہ مسلمانوں کی کامیابی کا بہت حد تک ذمہ دار ہے اور یوں ہر مسلمان رُکنِ مجلس وغیرہ ہمارے دلی شکریہ کا مستحق ہے لیکن ان نمائندوں میں سے چوہدری ظفر اللہ خاں اور ڈاکٹر شفاعت احمد خاں نے جس قابلیت اور صفائی سے مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ کو پیش کیا اور جس طرح دلائل سے ہمارے مطالبات کی صداقت کو واضح کیا وہ انہی کا حصّہ ہے اور ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انہیں ان کی کامیابی اور مع الخیر مراجعت پر مبارک باد و خوش آمدید عرض کرتے ہیں"۔

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ہفتم صفحہ ۱۲۹-۱۳۱)

حضرت چوہدری صاحب کی انکساری اور خاکساری کا یہ پہلو بھی قابلِ ذکر ہے۔ آپ نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں گول میز کانفرنسوں کا تذکرہ تو کیا ہے مگر وطن واپسی پر اپنے شاندار استقبال کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

ایک اہم خدمت

حضرت چوہدری صاحب نے تحریک پاکستان میں پسِ پردہ جو اہم کردار ادا کیا ہے اس کا ایک انکشاف حضرت چوہدری صاحب نے اپنی خود نوشت سوانح میں کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے مُسلم قوم کی کتنی اہم خدمات انجام دیں۔ آپ نے تیسری گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال کو شامل کروایا اور قائدِ اعظم کو شامل کروانے کی سر توڑ کوشش کی مگر بدقسمتی سے کامیابی نہ ہوئی۔ مسلمان نمائندوں کے بارے میں وائسرائے کونسل میں ذکر آیا تو مسلمان ممبروں کے نام حضرت چوہدری صاحب نے پیش کئے۔ اس کے بارے

میں آپ رقم طراز ہیں :-

"وائسرائے کونسل کے اجلاس میں مَیں نے جو نام مسلم وفد کی رکنیت کے لئے پیش کئے اُن میں سے ایک تو وائسرائے نے فوراً بلا تامّل ردّ کر دیا۔ باقی نام وزیرِ ہند کی خدمت میں بھیج دیئے گئے۔ وزیرِ ہند نے میرے تجویز کردہ ناموں میں سے دو کے متعلق اختلاف کیا (قائدِ اعظم) مسٹر جناح کے متعلق تو لکھا: "وہ ہر بات پر تنقید تو بہت کڑی کرتے ہیں لیکن کوئی اثباتی حل پیش نہیں کرتے۔ اب انہوں نے مستقل طور پر لنڈن میں رہائش اختیار کر لی ہے ہندوستان کے معاملات کے ساتھ ان کا براہِ راست تعلق نہیں رہا۔ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے متعلق لکھا : وہ دوسری گول میز کانفرنس میں تشریف لائے تھے لیکن انہوں نے کانفرنس کے دَوران میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ مَیں نے دونوں اصحاب کی شمولیت پر پُر زور اصرار کیا اور وائسرائے نے میری معروضات وزیرِ ہند کی خدمت میں بھیج دیں۔ بالآخر وہ ڈاکٹر صاحب کو شامل کرنے پر تو رضامند ہو گئے لیکن (قائدِ اعظم) مسٹر جناح صاحب کے متعلق میری سعی ناکام رہی"

("تحدیثِ نعمت" صـ۳۱۴)

مُسلم لیگ کی صدارت

دسمبر ۱۹۳۱ء سے لے کر ۱۹۳۲ء کے نصف اوّل تک حضرت چوہدری صاحب مسلم لیگ کے صدر رہے۔ دسمبر ۱۹۳۱ء میں نئی دہلی میں مسلم لیگ کا جو سالانہ اجلاس ہوا اس میں آپ نے بحیثیت صدر مسلم لیگ ایک فاضلانہ خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔ ان دنوں مسلم لیگ کے علاوہ مسلمانوں کی ایک اَور سیاسی پارٹی آل پارٹیز مُسلم کانفرنس بھی تھی۔ ان دو پارٹیوں کا وجود مسلمانوں کی وحدتِ ملّی کو کمزور کرنے کا باعث تھا چنانچہ حضرت چوہدری صاحب کی توجّہ اِس اختلاف کو ختم کرنے پر مرکوز رہی۔ چنانچہ اپنے خطبۂ صدارت میں آپ نے دیگر باتوں کے علاوہ اِس طرف بھی توجّہ کی اور آخرکار دو ایک سال کے اندر اندر مسلم لیگ زور پکڑ گئی اور جس کام کی ابتداء حضرت چوہدری صاحب نے کی تھی وہ آخر کامیاب ہُوا۔

حضرت چوہدری صاحب نے اِس نازک وقت میں مسلمانانِ ہند کی جس دلیری سے ترجمانی کی وہ تحریکِ پاکستان کا ایک تابناک باب ہے۔ آپ کے اِس خطبۂ صدارت کو مُلک بھر میں سراہا گیا۔ اِس خطبۂ صدارت کیلئے حضرت چوہدری صاحب نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں رہنمائی کے لئے خط لکھا۔ اِس میں آپ

نے لکھا :-

"خاکسار نے حضور کی منظوری کی امید میں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرتے ہوئے اسے (یعنی عہدۂ صدارت کو۔ ناقل) منظور کر لیا ہے اور زیادہ تر اس رنگ میں اپنے خیالات کے لحاظ سے اسے قبول کیا ہے کہ اس موقعہ پر مسلمانانِ ہند کو حضور کی زبان بن کر سیاسی مشورہ دوں اور کسی حد تک ان کی سیاسی رہنمائی کر سکوں۔ اس لئے معروض ہوں کہ حضور کمال ذرہ نوازی اور شفقت سے اپنا قیمتی وقت نکال کر ایڈریس کا مسودہ لکھا دیں اور خاکسار کو بھجوا دیں۔ خاکسار اسے ترجمہ کر لے گا۔"

(تاریخ احمدیت جلد ششم صہ ۳۳۶)

چنانچہ حضور کی رہنمائی میں تیار ہونے والا یہ خطبۂ صدارت حضرت چوہدری صاحب نے پڑھا اور ملک بھر میں اس کی گونج سنائی دی۔ اس سلسلہ میں اخبار "الامان" دہلی ۳۰ دسمبر ۱۹۳۱ء رقمطراز ہے :-

"جہاں تک آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی تجاویز اور اس خطبۂ صدارت کا تعلق ہے اس میں پوری پوری مسلمانانِ ہند کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ بروقت مسلمانانِ ہند کی صحیح ترجمانی کرنے میں یہ اجلاس گزشتہ جلسوں سے زیادہ کامیاب رہا۔۔۔

۔۔۔۔ ایک اہم تجویز آل انڈیا مسلم کانفرنس اور آل انڈیا مسلم لیگ کو متحد کرنے کے لئے منظور کی گئی۔۔۔۔

۔۔۔۔ خطبۂ صدارت میں جس دلیری اور بے باکی کے ساتھ حکومت کے رویّہ کی مذمت اور حقوقِ مسلمین کی وکالت کا حق ادا کیا گیا ہے وہ بھی اس اجلاس کی ایک تاریخی خصوصیت ہے۔"

اسی سلسلہ میں "الخلیل" دہلی یکم جنوری ۱۹۳۲ء کے پرچہ میں لکھتا ہے :-

"چوہدری ظفر اللہ خاں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں جو خطبہ صدارت ارشاد فرمایا وہ اپنی نوعیت اور سود مندی کے اعتبار سے وقت کا ایک اہم خطبہ ہے اور اس میں مسلم جذبات کی صحیح صحیح ترجمانی کی گئی ہے۔ ہم چوہدری صاحب کے ممنون ہیں کہ آپ نے مسلم جذبات کی سچی وکالت کی۔ ..... مسلم حقوق کی وکالت کا جو طریقہ آپ نے اختیار کیا وہ بہت صحیح اور بہت درست تھا۔ تمام خطبہ آپ کی دلیرانہ اور فاضلانہ ترجمانی سے لبریز ہے۔ آپ نے اس خطبہ صدارت میں جن گرانقدر خیالات کا اظہار کیا ہے حقیقت میں وہی مسلمانوں کے خیالات ہیں۔"

یہ اجلاس کس درجہ کامیاب تھا اس کا ذکر سیکرٹری مسلم لیگ نے یوں کیا کہ یہ اجلاس عدیم النظیر تھا اور اس میں کونسل کے ارکان نے غیر معمولی تعداد میں شرکت کی۔ (الفضل ۳ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۱ کالم ۲)

چین میں آزادی وطن کی تڑپ

گول میز کانفرنسوں کے اختتام پر ۱۹۳۵ء میں آپ کو وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن مقرر کر دیا گیا۔ یعنی آپ ہندوستان کے مرکزی وزیر مقرر ہو گئے۔ اس عہدے پر آپ کا تقرر ۱۹۴۰ء تک رہا۔ اور اسی سال پہلی میعاد ختم ہونے پر مزید پانچ سال کے لئے آپ کا دوبارہ تقرر کر دیا گیا۔ اسی سال ۱۶ جون کو وائسرائے ہند سے آپ کی ایک ملاقات ہوئی جس میں انہوں نے سرسری طور پر ذکر کیا فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس آپ کو بطور جج لینا چاہتے ہیں۔ وائسرائے ہند کی توقع کے قطعی خلاف آپ نے وزارت چھوڑ کر فوراً جج مقرر ہونے کی حامی بھر لی اور اس طرح سے آپ ۱۹۴۱ء میں فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج مقرر ہو گئے۔ اس عہدے پر آپ ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان

تجاویز مجلس شوریٰ سالانہ اجتماع ۱۹۸۱ء

مجلس شوریٰ خدام الاحمدیہ کیلئے تجاویز بھجوانے کی آخری تاریخ یکم ستمبر ہے۔ لیٹ موصول ہونے والی تجاویز ایجنڈا میں شامل نہیں ہو سکیں گی۔

معتمد
مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

تک رہے۔ جج کا عہدہ اگرچہ ایک قطعاً غیر سیاسی عہدہ ہے اور ملک کی اعلیٰ ترین عدالت کے جج کو ملک کی آزادی یا غلامی سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیئے۔ لیکن حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کا حرّیت پسند ضمیر اپنے اس عہدے میں بھی یہ گنجائش نکال لیتا تھا کہ وہ اپنے اعلیٰ ترین عہدے کی پاسداری کے ساتھ ساتھ ملک کی آزادی کی تحریک میں بھی حصّہ لے سکیں۔

جون ۱۹۴۲ء میں آپ کو وائسرائے ہند نے چین میں ہندوستان کا سفیر بنا کر چنگ کنگ بھیج دیا اور آپ چین میں ہندوستان کے ایجنٹ جنرل (سفیر) کہلائے۔ اس عہدے میں جبکہ آپ خالصتاً ایک سرکاری ملازم تھے آزادیٔ ہند اور قیامِ پاکستان کے لئے آپ کی تڑپ زندہ رہی۔ چنانچہ اس کا اظہار اس طرح سے ہوا کہ آپ نے چنگ کنگ سے وائسرائے ہند کو ایک یادداشت ارسال کی جس میں ہندوستان کی آزادی کے متعلق یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ سردست جنگ (دوسری جنگِ عظیم) کی وجہ سے ہندوستان کے آئین میں کوئی بڑی تبدیلی کرنا یا ہندوستان کو آزاد کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے برطانیہ کو چاہیئے کہ اپنی نیک نیّتی کا ثبوت دینے کے لئے مملکت کا کاروبار عملاً ہندوستانی افراد کے سپرد کر دے۔ اس کے لئے کوئی نیا قانون نہ بنایا جائے بلکہ عملاً وائسرائے کی کابینہ میں وزراء کو با اختیار بنا دیا جائے۔ اور وائسرائے ہند اور وزیر ہند محض لفظی حکمران رہ جائیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اختیارات تو وائسرائے اور وزیرِ ہند ہی کے پاس ہوں مگر عملاً وہ ان اختیارات کا استعمال ہندوستانی وزراء کے سپرد کر دیں۔

ایک اچھی تجویز

جو ہندوستانی سیاستدانوں کا شکار ہو گئی

حضرت چوہدری صاحب نے جو تجویز پیش کی تھی اس پر مزید غور و خوض کے لئے چوہدری صاحب کو برطانیہ بُلایا گیا۔ اُس وقت آپ چین سے واپس آ گئے تھے۔ برطانیہ جا کر آپ نے عمائدینِ حکومت سے یہ طے کیا کہ وائسرائے کی کابینہ میں کمانڈر انچیف کے علاوہ سب اراکین ہندوستانی ہوں اور باہمی سمجھوتے کے ذریعے ایک رُکن کو وزیر اعظم کے اختیارات دے کر اس کا نام سینئر وزیر رکھ دیا جائے اور عملاً سارے اختیارات وائسرائے کی بجائے اس کو دیدیئے جائیں۔

وزیر اعظم برطانیہ مسٹر چرچل اور وزیر ہند نے اس تجویز کو منظور کر لیا۔ دو اعلیٰ ترین مقتدر اشخاص کا اس تجویز کو قبول کرنا عملاً ہندوستان کی آزادی کو تسلیم کرنا تھا۔ اس طرح سے حضرت چوہدری صاحب کی ذاتی مساعی سے برطانیہ کے اعلیٰ ترین حلقوں نے ہندوستان کی آزادی کا حق — تاریخ میں پہلی بار تسلیم کر لیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ وائسرائے ہند کو بھی اس پر آمادہ کیا جائے۔ حضرت چوہدری صاحب کو بتایا گیا کہ اگر وائسرائے ہند اس پر نہ بھی راضی ہوئے تو ان کو حکماً منوا لیا جائے گا۔ یہ تجویز وائسرائے کو بھیجی گئی مگر شومئی قسمت کہ انہی دنوں میں گاندھی جی

نے مرن برت (بھوک ہڑتال تادم مرگ) رکھ لیا۔ اور وائسرائے کی کونسل کے تین ہندو ارکان گاندھی جی کے مطالبے کی حمایت میں مستعفی ہو گئے۔ اب وائسرائے ہند کو موقع مل گیا کہ وہ یہ عذر پیش کر کے اس تجویز کو رد کر دے کہ ایسی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ برطانیہ گاندھی جی کے مرن برت سے ڈر کر یہ تجویز پیش کر رہا ہے اور یہ بات برطانیہ کی کمزوری سمجھی جائیگی اور برطانیہ کے لئے خطرناک ہوگی۔ چنانچہ سیاستدانوں کی ناسمجھی نے ایک نہایت مفید تجویز ختم کرادی۔

تاہم اس سے ہندوستان کی آزادی کے سلسلے میں حضرت چوہدری صاحب کی درپردہ کوششوں اور اثر و رسوخ کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ۱۹۴۲ء میں جنگ کے دنوں میں برطانیہ سے قریباً وہ بات منوالی جو ہندوستان کے سیاست دان لمبی تگ و دو اور کوششوں کے بعد ۱۹۴۷ء میں منوانے میں کامیاب ہوئے۔

آزادی ہند کا فیصلہ کُن مرحلہ کِس طرح شروع ہوُا۔

مَیں نے مضمون کے آغاز میں ذکر کیا ہے کہ حضرت چوہدری صاحب نے درپردہ تحریکِ آزادی میں اہم اور ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا ہے۔

چنانچہ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ہندوستان

کی آزادی کا فیصلہ کن مرحلہ کس طرح شروع ہوسکا
— حضرت چوہدری صاحب کی ایک تاریخی
تقریر کے اثرات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔
اس تقریر کی تقریب اس طرح سے برپا ہوئی
کہ حضرت چوہدری صاحب بطور جج فیڈرل کورٹ
آف انڈیا ۱۹۴۵ء میں ایک ہندوستانی وفد کے
سربراہ کے طور پر برطانیہ گئے۔ یہ وفد رائل انسٹی ٹیوٹ
آف انٹرنیشنل افیئرز کی طرف سے دولت مشترکہ
کے نمائندگان کی ایک کانفرنس میں شریک ہوا۔
کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں ہر ملک
کے وفد کے قائد کو پانچ پانچ منٹ دیئے گئے کہ وہ
اپنے ملک کی جنگی سرگرمیوں کا خلاصہ بیان کرے۔
حضرت چوہدری صاحب کے حریت پسند ضمیر نے اس
موقعہ کو غنیمت جانا اور اس پانچ منٹ کے عرصے میں
وہ تاریخی اور دھماکہ خیز تقریر کی جس کی گونج ایک طرف
برطانوی حکومت کے ایوانوں میں سنائی دی اور
دوسری طرف ہندوستان کے کونے کونے میں حضرت
چوہدری صاحب کا نام اخباروں کی شہ سرخیوں کی
زینت بن گیا اور پورے ملک میں داد و تحسین کا ایک
زبردست شور برپا ہوگیا۔ اپنے ملک کی جنگی قربانیوں
یا بالفاظ دیگر سرکار برطانیہ سے ہندوستان کی
وفاداری کی تفصیل بیان کرنے کی اس مختصر سی تقریر
کو حضرت چوہدری صاحب نے کس طرح جنگ آزادی
کے ایک طاقتور حربے کے طور پر استعمال کیا — وہ
حضرت چوہدری صاحب کی ذہانت، فراست اور
حریت پسندی کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے۔ اور
تحریک آزادی میں حصہ لینے اور اپنے ملک کو
آزاد دیکھنے کی اس بے پناہ تڑپ کا آئینہ دار ہے
جو حضرت چوہدری صاحب کے دل میں سمائی ہوئی
تھی۔

اے دولت مشترکہ کے سیاستدانو!

حضرت چوہدری صاحب نے تین منٹ میں
ہندوستان کی جنگی سرگرمیوں کی مختصر تفصیل
بتائی اور بتایا کہ ۲۵ لاکھ ہندوستانی سرکار برطانیہ
کی خاطر جنگ لڑتے رہے اور جانی قربانی کے علاوہ
سامان حرب اور ذخائر خوراک مہیا کرنے میں بھی
ہندوستان نے اہم حصہ لیا۔ ہندوستان کی جنگی
وفاداریوں کا ذکر کرنے کے بعد حضرت چوہدری
صاحب کی تقریر نے ایک ڈرامائی موڑ اختیار کیا
اور اعداد و شمار بیان کرتے کرتے ان کی آواز
یکایک بلند ہوگئی اور انہوں نے پکار کر کہا:۔

"دولت مشترکہ کے سیاستدانو!
کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ ہندوستان
کے ۲۵ لاکھ فرزندوں نے میدان
جنگ میں مملکت برطانیہ کی آزادی
کی حفاظت کے لئے داد شجاعت
دی ہو لیکن خود ہندوستان ابھی
تک اپنی آزادی کا منتظر اور اس
کے لئے ملتجی ہو۔ شاید ایک مثال

اِس کیفیت کو واضح کرنے میں ممد ہو سکے۔ چین کی آبادی اور رقبہ ہندوستان کی آبادی اور رقبے سے بے شک زیادہ ہے لیکن وسعت اور آبادی کے علاوہ باقی ہر لحاظ سے چین آج ہندوستان سے کوسوں پیچھے ہے۔ تعلیم، صنعت و حرفت، وسائلِ آمد و رفت، غرض خوشحالی کے تمام عناصر کے لحاظ سے ہندوستان چین سے کہیں آگے نظر آتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ چین تو آج دنیا کی بڑی طاقتوں میں شمار ہوتا ہے اور ہندوستان کسی گنتی میں نہیں؟ کیا اِس کی وجہ صرف یہی نہیں کہ چین آزاد ہے اور ہندوستان محکوم؟ ....''

یہ بات کرنے کے بعد آپ نے برطانیہ کو اہلِ ہندوستان کے آزادی کے عزم کا صاف صاف اعلان کرتے ہوئے پُرعزم لہجے میں کہا:-

''لیکن یہ حالت اب دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ ہندوستان بیدار ہو چکا ہے اور آزاد ہو کر رہے گا....'' (تحدیثِ نعمت صفحہ ۴۸۱)

اس کانفرنس کے بعد اگلے روز حکومتِ برطانیہ کی طرف سے اس کانفرنس کے مندوبین کے اعزاز میں شام کے کھانے کی دعوت دی گئی۔ اس دوران حضرت چوہدری صاحب کی تقریر کا کافی چرچا ہوچکا تھا اور آپ کے کانوں تک یہ بات بھی پہنچ گئی تھی کہ ہندوستان کی آزادی کے سلسلے میں حکومتِ برطانیہ معذور ہے کیونکہ ہندو اور مسلمان کسی ایک طریق کار پر متفق نہیں ہیں۔ یہ تاثر عام ہوجاتا تو حضرت چوہدری صاحب کی تقریر کا اثر زائل ہوجاتا چنانچہ آپ نے اس دعوت کو موقع غنیمت جانا اور آپ کی کل کی تقریر کی وجہ سے آپ کو جو اہمیت حاصل ہوچکی تھی اس کے نتیجے میں دعوت کے میزبان کی تقریر کے جواب میں شکریہ کی رسمی تقریر کرنے کی ذمہ داری بھی آپ پر ڈالی گئی۔ آپ نے اس تقریر سے پورا فائدہ اُٹھایا اور یہاں بھی ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ آپ نے کہا:۔

"حکومتِ برطانیہ ہندو مسلم اختلاف کا عذر رکھ کر اپنی ذمہ داری سے گریز نہیں کر سکتی۔ جنگ کے دوران میں برطانیہ اپنی بہت سی مشکلات کا حل دریافت کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے کیا ہندوستان کی آزادی ہی ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا حل دریافت کرنے سے برطانیہ عاجز ہے؟ بیشک

یہ مسئلہ مشکل ہے لیکن برطانیہ کا تدبّر اس مشکل کا حل تجویز کرنے سے عاجز نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر ہندو مسلم اختلاف ہی اس مسئلے کے حل کرنے میں سب سے بڑی روک ہے تو برطانیہ اپنی نیک نیتی کا ثبوت اس واضح اعلان سے پیش کر سکتا ہے کہ اگر فلاں تاریخ تک ہندوستان کی طرف سے ہندو مسلم اختلافات کا متفقہ حل تجویز نہ کیا گیا تو حکومتِ برطانیہ اپنی طرف سے ایک قرینِ انصاف حل تجویز کر کے اس کی بناء پر ہندوستان کے لئے ایک ایسا آئین وضع کر دے گی جس کی رُو سے ہندوستان کو نو آبادیات کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔ یہ آئین عارضی ہو گا۔ جونہی مستقل آئین پر فرقہ وارانہ اختلاف رفع ہو کر اتفاق ہو جائے گا پارلیمنٹ متفقہ دستور کے مطابق آئین وضع کر دے گی اور اسے رائج کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کے نتیجے میں ہندوستان بلکہ ساری دنیا برطانیہ کی حسنِ نیّت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گی۔"

(تحدیثِ نعمت صفحہ ۴۸۲)

حضرت چوہدری صاحب کی تقریر کے نتیجے میں ہندوستان بھر میں شور پیدا ہو گیا اور ہر طرف آزادیٔ ہند کا نعرہ گونجنے لگا۔ چنانچہ کابینہ کے زور دینے پر ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ویول کو برطانیہ طلب کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ہندوستان کی آزادی کا فیصلہ کُن مرحلہ شروع ہو گیا۔ چند ماہ کے بعد چرچل وزارت شکست کھا گئی اور نئے وزیرِ اعظم اٹیلی نے آتے ہی ہندوستان کی آزادی کے انتظامات کا اعلان کر دیا۔

حضرت چوہدری صاحب کی تقریر کا ہندوستان بھر میں نہایت خوشی سے خیر مقدم کیا گیا۔ اخبارات نے خبریں دیں اور اداریے لکھے اور حضرت چوہدری صاحب کے موقف کا دفاع کیا۔ چند آراء ملاحظہ ہوں :-

(۱) اخبار "احسان" ۲۲ فروری ۱۹۴۵ء

"سر ظفر اللہ خاں نے لندن میں ایک اور تقریر کی جس میں ایک سرکاری ممبر ہونے کے باوجود آپ نے صاف گوئی سے کام لیا ہے۔"

(۲) روزنامہ "پیام" حیدرآباد دکن ۲۲ فروری ۱۹۴۵ء

"ایک اجنبی آواز" کے عنوان سے لکھا:-

"ایک عرصہ ہوا کہ سر ظفر اللہ خاں قومی زندگی سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ ان کی دُنیا لال وردیوں والے چوبداروں اور سُرخ قالینوں والے حکومت کے ایوانوں کی دُنیا ہے۔ اس لئے حیرت ہوئی —— ایک خوشگوار حیرت —— کہ تعلقاتِ دولتِ مشترکہ کی کانفرنس میں ہندوستانی وفد کے لیڈر کی حیثیت سے انہوں نے اپنی تقریر میں کیسی عجیب عجیب باتیں فرما دیں۔۔۔۔ سر ظفر اللہ کی شخصیت ہمارے ملک کی بہت شاندار شخصیت رہی ہے۔ سر ظفر اللہ کی آواز میں ایک گرج ہے، ایک دھماکا ہے جس کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔"

(۳) اخبار "پرتاپ" ۲۲ فروری ۱۹۴۵ء

"لندن میں آپ نے جو تقریریں کی ہیں اُن سے ہندوستان تو کیا، ساری کامن ویلتھ میں تہلکہ مچ گیا ہے۔ کوئی امید نہ کر سکتا تھا کہ سر ظفر اللہ جیسا شخص بھی برطانیہ کی خدمت میں ایسے الفاظ استعمال کر سکتا ہے۔۔۔۔۔ آپنے برطانوی حکمرانوں کو وہ کھری کھری سُنائیں کہ سُننے والے دنگ رہ گئے۔ برطانوی حکومت کے درجنوں تنخواہ دار ایجنٹوں کے کئے کرائے پر آپ کی ایک تقریر نے پانی پھیر دیا۔"

(۴) رسالہ "پریت لڑی" مارچ ۱۹۴۵ء

"۔۔۔ جو زوردار، بے خوف اور بے لاگ تقریریں انہوں نے کی ہیں انگریز سوچ میں پڑ گئے ہیں۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ مدت سے ہم نے امید کرنی چھوڑ دی ہے کہ سرکاری طور پر بھیجا ہوا ہمارا نمائندہ کبھی ہماری ترجمانی بھی کرے گا۔ ہم نے کبھی دلچسپی سے پڑھا ہی نہیں کہ یہ نمائندے وہاں جا کر کیا کہتے ہیں۔ لیکن سر ظفر اللہ کی دلیری کا ہم فخر کرتے ہیں۔"

باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کی نمائندگی

آزادیٔ ہند کا مرحلہ شروع ہؤا اور بات بالآخر تقسیمِ ملک پر آکر ٹھہری اور ۳ جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم کا حتمی فیصلہ ہو گیا۔ اور قیام پاکستان کو تسلیم کر لیا گیا۔ حضرت چوہدری صاحب موصوف نے قیام پاکستان کا اعلان ہوتے ہی فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج کے عہدے سے استعفیٰ دیدیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے چوہدری صاحب موصوف کو حکم دیا کہ پنجاب کی تقسیم کے لئے ایک حد بندی کمیشن مقرر ہونے والا ہے اس میں مسلم لیگ کے کیس کی پیروی کریں۔ حضرت چوہدری صاحب کو والیٔ بھوپال نواب سر حمیداللہ صاحب نے انگلستان بھیجا تھا چوہدری صاحب کو کہا گیا کہ جب وہ انگلستان سے واپس آئیں گے تو کیس مسلم لیگ کے وکلاء تیار کر چکے ہوں گے اور انہیں صرف بحث کرنا ہو گی مگر واپسی پر پتہ چلا کہ کیس کی کوئی تیاری نہیں ہوئی چنانچہ آپ نے دن رات کی مشقت سے اڑھائی دن میں اس تاریخی مہم میں پیش کرنے کیلئے اس ڈھائی دن کے مختصر عرصہ میں پورے پنجاب کے متنازعہ علاقے کے اعداد و شمار جمع کر کے کئی صفحات پر مشتمل بیان تیار کیا جو حضرت چوہدری صاحب کی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

اس کے بعد انہوں نے کمیشن کے رُوبرو نہایت قابلیت اور ہمت کے ساتھ بحث کی۔ اگرچہ نتیجہ مسلم لیگ کے حق میں نہ نکلا لیکن مسلم لیگ کے حلقوں اور خود قائداعظم محمد علی جناح نے حضرت چوہدری صاحب کے کام پر گہرے اطمینان کا اظہار کیا۔

چنانچہ باؤنڈری کمیشن کا اجلاس ختم ہونے پر مسلم لیگ کے ترجمان اخبار "نوائے وقت" نے جس کے ایڈیٹر پاکستان کے نامور صحافی جناب حمید نظامی مرحوم تھے یکم اگست ۱۹۴۷ء کو محترم چوہدری صاحب کی خدمات کو سراہتے ہوئے اداریہ میں لکھا:۔

"..... کوئی چار دن سر محمد ظفراللہ خان صاحب نے مسلمانوں کی طرف سے نہایت مدلّل، نہایت فاضلانہ اور نہایت معقول بحث کی کامیابی بخشنا خدا کے ہاتھ میں ہے مگر جس

خوبی اور قابلیت کے ساتھ سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے مسلمانوں کا کیس پیش کیا اس سے مسلمانوں کو اتنا اطمینان ضرور ہو گیا کہ ان کی طرف سے حق و انصاف کی بات نہایت مناسب اور احسن طریقہ سے ارباب اختیار تک پہنچا دی گئی ہے۔ سر ظفر اللہ خان صاحب کو کیس کی تیاری کے لئے بہت کم وقت ملا۔ مگر اپنے خلوص اور قابلیت کے باعث انہوں نے اپنا فرض بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ ہمیں یقین ہے کہ پنجاب کے سارے مسلمان بلا لحاظ عقیدہ ان کے اس کام کے معترف اور شکر گزار ہوں گے۔"

"نوائے وقت" کی دوسری شہادت

مسلم لیگ کے ترجمان اخبار "نوائے وقت" نے اوپر کے نوٹ کے ایک سال بعد قائدِ اعظم محمد علی جناح کی زندگی میں چوہدری صاحب موصوف کو ایک دفعہ پھر خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ۴ اگست ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں مندرجہ ذیل نوٹ لکھا:۔

"جب قائدِ اعظم نے یہ چاہا کہ آپ پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں تو ظفر اللہ خان نے فوراً یہ خدمت سرانجام دینے کی حامی بھر لی۔ جو افراد کمیشن کے ارکان کی حیثیت سے جج بنا کر بٹھائے گئے تھے وہ باعتبار تجربہ و صلاحیت آپ کے مقابلے میں طفلانِ مکتب سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے لیکن قائدِ اعظم کی خواہش تھی کہ ظفر اللہ کمیشن کے سامنے ملت کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں اس لئے آپ نے بلا تامل یہ کام اپنے ذمہ لیا اور اسے ایسی قابلیت سے

سرانجام دیا کہ قائدِ اعظم نے خوش ہو کر آپ کو یو این او میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کر دیا جس طرح آپ نے ملّت کی وکالت کا حق ادا کیا تھا اس سے آپ کا نام پاکستان کے قابلِ احترام خادموں میں شامل ہو چکا تھا۔ آپ نے ملک و ملّت کی جو شاندار خدمات سرانجام دیں تو قائدِ اعظم انہیں حکومتِ پاکستان کے اس عہدے پر فائز کرنے پر تیار ہو گئے جو باعتبارِ منصب وزیرِ اعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے۔ قائدِ اعظم نے چوہدری صاحب کو بلا تامّل پاکستان کا وزیرِ خارجہ بنا دیا۔"

جسٹس منیر مرحوم کا اعلانِ حق

حد بندی کمیشن کے ایک رُکن مسٹر جسٹس محمد منیر مرحوم بھی تھے۔ بعد میں جب حضرت چوہدری صاحب پر اعتراضات کئے جانے لگے تو جسٹس منیر مرحوم نے اس کا سختی سے نوٹس لیا اور ۱۹۵۳ء کے فسادات کی تحقیقاتی رپورٹ میں لکھا کہ :-

"عدالت ہذا کا صدر جو اس (باؤنڈری) کمیشن کا ممبر تھا اس بہادرانہ جدّوجہد پر تشکر و امتنان کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے جو چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے گورداسپور کے معاملہ میں کی تھی۔ یہ حقیقت باؤنڈری کمیشن کے کاغذات میں ظاہر و باہر ہے اور جس شخص کو اس مسئلہ سے دلچسپی ہو وہ شوق سے اس ریکارڈ کا معائنہ کر سکتا ہے چوہدری ظفر اللہ خان نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات انجام دیں اُن کے باوجود بعض جماعتوں نے عدالتِ تحقیقات میں اِن کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ قابلِ شرم ناشکرے پن کا ثبوت ہے۔"

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۰۹)

باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنا اس تاریخی جدوجہد کا حرفِ آخر تھا جس کی ابتداء ٹھیک ۳۰ سال قبل ایک معمولی ترجمانی سے ہوئی تھی۔ ترجمانی کرنے والا ایک معمولی نوجوان اپنی خداداد ذہانت کے طفیل تحریکِ پاکستان کا ایک اہم ستون بن گیا اور کتنے ہی نازک مراحل محض حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی بدولت آسان ہوئے اور آخر کار ان کا محبوب وطن غلامی کے چنگل سے آزاد ہو کر پاکستان کی صورت میں دنیا کے نقشے پر سج گیا ؛

سفاری ریلی ۱۹۸۱ء

(مکرم ل ۔ خ ۔ ملک صاحب)

وسط اپریل میں ایسٹر کی چھٹیوں کے دوران کینیا میں ہونے والی سفاری ریلی دیکھنے کا موقعہ ملا ۔ یہ کاروں کی ایک ایسی ریس ہے جو پکّی سڑکوں پر نہیں بلکہ ملک کے مختلف علاقوں میں سے گزرنے والے نیم پختہ، کچے اور گڑھوں سے اٹے ہوئے پہاڑی، صحرائی اور میدانی راستوں پر ہوتی ہے ۔ کاروں کی ریسیں تو دوسرے ممالک میں بھی ہوتی ہیں مگر کینیا میں ہونے والی یہ سفاری ریلی بلاشبہ دنیا کی عظیم ترین ریلی مانی جاتی ہے ۔

اس ریلی میں کاریں ہی نہیں کار سوار بھی سخت آزمائش سے دوچار ہوتے ہیں ۔ اوّل آنا تو بہت ہی معرکے کی بات ہے ۔ اس ریلی کے تینوں مراحل کو خیریت سے مکمل کرکے واپس پہنچ جانا ہی ایک ایسا اعزاز ہے جس پر کار اور اس پر سوار بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں ۔

ریلی کا روٹ ایسے متعدد راستوں سے گزرتا ہے جو دشوار گزار ترین خیال کئے جاتے ہیں ۔ ان میں صحرائی راستے بھی ہیں جن کا وجود ہر وقت تیز چلتی رہنے والی ہوا کے رحم و کرم پر ہوتا ہے اور کار سوار نہیں جانتا کہ راستے کا کون سا حصہ ریت کی خشک دلدل پر مشتمل ہے ۔ بڑے بڑے پتھروں سے اٹے ہوئے سنگلاخ راستے بھی ہیں اور چکنی مٹی کے میدانوں سے گزرتے ہوئے وہ دلدلی راستے بھی جو اپریل میں لمبی بارشوں کے بعد مگرمچھ کی طرح کاروں کو نگلنے کے لئے جبڑے کھولے بیٹھے ہوتے ہیں ۔ پھر جب یہ راستے ندی نالوں سے گزرتے ہیں تو کار سوار ریلی کی سب سے بڑی آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے ۔ اسے تیز بہتی ہوئی ندیوں میں سے گزرنا ہوتا ہے ۔ غرض یہ ریلی کار اور سوار دونوں کے لئے نہایت ہی صبر آزما حالات مہیا کرتی ہے اور یہی اس کے دنیا میں عظیم ترین سمجھے جانے کی وجہ ہے ۔

۱۹۵۳ء میں ملکہ الزبتھ ثانیہ کے جشنِ تاجپوشی کے موقعہ پر موٹر ریسنگ کے شوقین حضرات کو خیال سوجھا کہ کاروں کی ایک ریس منعقد کر کے جشن کی رونق کو دوبالا کیا جائے ۔ دو ہزار میل کی اس ریس کی ابتدا ہی اس قدر ہمت شکن تھی کہ شرکت کرنے والی ۵۷ کاروں میں سے جن چند نے ابتدائی دو سو میل کا ٹکڑہ مکمل کر لیا انہیں ریس میں کامیاب قرار دے کر باقی اٹھارہ سو میل کی

ڈوڑ منسوخ کر دی گئی۔

اس پہلی ریلی کو بہت سراہا گیا اور مطالبہ ہوا کہ ایسی ریلی ہر سال ہوا کرے (خواہ ملکہ عالیہ کی تاجپوشی ہر سال نہ بھی ہو) چنانچہ پچھلے ۲۹ سال سے یہ ریلی باقاعدگی سے ہر سال ہوتی رہی ہے۔ آہستہ آہستہ اسے حکومت کی سرپرستی بھی حاصل ہوگئی جب کینیا کے بانی صدر آنجہانی جوموکنیاٹا نے ۱۹۶۸ء میں اس کا افتتاح کیا۔ بعد میں ہر سال صدرِ مملکت ہی رسمِ افتتاح ادا کرتے رہے ہیں۔

پہلی ریلی میں فاکس ویگن بیٹل (BEETEL) اوّل آئی۔ پھر اگلے سال بھی اُسی نے بازی جیتی۔ ۱۹۵۵ء میں فورڈ جیت گئی مگر اگلے سال فاکس ویگن نے کھویا ہوا مقام پھر حاصل کر لیا مگر آئندہ تین سال تک مرسیڈیز نے کسی کو آگے نہیں نکلنے دیا۔ ۱۹۶۲ء میں فاکس ویگن پھر جیت گئی (مگر بڑھاپے کے باعث آئندہ اس نے ریلی میں اوّل آنے سے اجتناب کیا)۔ اگلے سال کارٹینا (CORTINA) اور اس سے اگلے سال والوو (VOLVO) جیتی۔ پھر فرانسیسی گاڑی پویو (PEUGEOT) کی خوش بختی کا دَور آیا اور یہ مسلسل تین سال جیتتی رہی۔ ۱۹۶۹ء میں فورڈ نے پھر میدان مار لیا۔ اب جاپانیوں نے سوچا کہ اگر ہماری گاڑیاں سفاری ریلی میں جیتنے کے اعزاز سے محروم رہیں تو انہیں خریدے گا کون چنانچہ جاپانی کار ڈیٹسن بنانے والوں نے خوب تیاری کی اور ۱۹۷۰ء میں ڈیٹسن پہلی بار اوّل آگئی اور اگلے سال بھی اوّل رہی۔ ۱۹۷۲ء میں فورڈ جیتی مگر اگلے سال ڈیٹسن تیسری بار اوّل آگئی۔ ۱۹۷۴ء میں کولٹ لینسر (COLT LANCER) جیت گئی۔ پویو کو خیال آیا کہ مجھے جیتے عرصہ ہوگیا چنانچہ اگلے سال وہ پھر جیت گئی۔ کولٹ نے اگلے سال میدان مار لیا۔ پھر فورڈ نے اور پھر پویو نے۔ بالآخر ۱۹۷۹ء میں ڈیٹسن والے نئی تیاری سے اُٹھے اور ڈیٹسن جیت گئی اور پھر تو اُس نے جیسے ہر سال ہی اوّل آنے کی ٹھان لی۔ ۱۹۸۰ء میں بھی اوّل آئی اور اس سال آخری ریلی میں بھی جیت گئی بلکہ دوم سوم آنے والی کاریں بھی ڈیٹسن ہی تھیں۔ اس طرح تین بار سے زیادہ ریلی جیتنے کا سکور یوں رہا:

پویو اور ڈیٹسن چھ چھ بار۔

فورڈ اور فاکس ویگن چار چار بار۔

سفاری ریلی کی شہرت کینیا سے نکل کر دُنیا کے تمام ممالک میں پھیل چکی ہے اور موٹر ریسنگ کے شوقین ہزاروں کی تعداد میں اسے دیکھنے کینیا کھنچے چلے آتے ہیں۔ اس طرح ریلی کینیا میں سیاحت کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

ایک ہزار کے قریب والنٹیرز اپنی ایسٹر کی چھٹیاں ریلی کے انتظامات کے لئے وقف کرتے ہیں۔ لاکھوں لوگ مُلک کے کونے کونے میں ریلی کے رُوٹ کے کنارے کھڑے بڑے ہی

شوق سے دن اور رات کے مختلف اوقات میں ریلی کے ٹائم ٹیبل کے مطابق کاروں کی انتظار کرتے ہیں اور جب کاریں گزرتی ہیں تو اُن کا جوش و خروش عروج پر ہوتا ہے۔ اپنے پسندیدہ کار سواروں کو خوب دل کھول کر داد دیتے ہیں۔

ریلی تین مراحل میں ہوتی ہے۔ ہر مرحلہ کی تکمیل پر کاریں نیروبی واپس پہنچتی ہیں سوار آرام کرتے ہیں اور کاروں کی ضروری مرمّت اور سروس ہوتی ہے۔ تازہ دم ہونے پر اگلا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ تینوں مراحل چار پانچ دن پر محیط ہوتے ہیں۔

ہر مرحلہ کے آغاز پر ہر گاڑی اپنے مقررہ وقت پر پہلی گاڑی سے تین منٹ کے وقفہ کے بعد روانہ ہوتی ہے۔ رُوٹ پر واقع مقرّرہ کنٹرول پوائنٹس پر اپنی آمد رپورٹ کرتی ہے اور آگے روانہ ہو جاتی ہے۔

ہر سیکشن کو طے کرنے کے لئے وقت مقرر ہے۔ اگر کوئی گاڑی وقت مقررہ سے لیٹ پہنچتی ہے تو اسے منفی نمبر (PENALTY POINTS) ملتے ہیں۔ چونکہ ہر سیکشن پر علیحدہ علیحدہ کارکردگی کا ریکارڈ ہوتا ہے اس لئے کسی ایک سیکشن میں تاخیر کا اثر اگلے سیکشن پر نہیں پڑتا۔

ریلی کے اختتام پر تمام منفی نمبر شمار کئے جاتے ہیں اور ساری ریلی میں مجموعی طور پر سب سے کم منفی نمبر حاصل کرنے والا سوار اوّل آ جاتا ہے۔

ریلی کے دَوران متعدد ہیلی کاپٹر کاروں کی پوزیشن وقفے وقفے سے ہیڈ کوارٹر کو بذریعہ وائرلیس رپورٹ کرتے رہتے ہیں۔ اس کی مدد سے ریڈیو اور ٹی وی پر رواں تبصرہ جاری رہتا ہے۔ ہر شوقین کے کان تبصرہ پر لگے ہوتے ہیں اور آنکھیں اس چارٹ پر جس پر تمام کنٹرول سٹیشن اور کاروں کے نام اور اُن کی حالیہ پوزیشن درج ہوتی ہے۔

ہر گاڑی کے لئے کم از کم ایک سروس ویگن مقرر ہوتی ہے جو حتی الوسع مقابلے میں شریک اپنی کار کے قریب ترین رہ کر اس کی ضروری سروس کرتی رہتی ہے۔ گاڑی کا پورا انجن اور باڈی بدلنے سے ورے ورے جو پُرزہ بدلنا پڑے بدلا جا سکتا ہے مگر ہر سپیئر پارٹ ڈالنے پر کچھ منفی نمبر ملتے جاتے ہیں اس لئے مقابلے کے آغاز اور اختتام پر پُوری گاڑی کا بغور معائنہ کیا جاتا ہے تاکہ اس میں بدلے ہوئے پارٹس کی پڑتال کی جا سکے۔

اس سال ایسٹر نسبتاً تاخیر سے آیا جب یہاں کا لمبا موسم برسات (LONG RAINS) جم کر شروع ہو چکا تھا۔ ریلی کے افتتاح سے قبل کئی دن مسلسل بارش ہوتی رہی تھی۔ افتتاح کے بعد تین دن بھی بارش رہی البتہ چوتھا اور

پانچواں دن خشک گزرا۔ لمبی بارشوں کے بعد یہاں کی کچی سڑکوں کی کیا حالت ہوتی ہے اس کا کچھ اندازہ کیچڑ میں لت پت کاروں کو واپس آتے دیکھ کر ہو سکتا تھا۔ منتظمین کے خیال میں یہ کیلی ترین سفاری ریلی تھی اور چند ندی نالوں میں سیلاب کے باعث رُوٹ کے بعض سیکشن بدل کر متبادل راستے مقرر کرنے پڑے تھے۔

ایسے حالات میں اس پر حیرت نہیں ہونی چاہیئے کہ ستر کے قریب شامل ہونے والی کاروں میں سے صرف چوبیس ہی سارے مراحل مکمل کر سکیں۔ عام اوسط چالیس فیصد ہے اور صرف ایک سال پچاس فیصد سے زائد کاریں سفاری مکمل کر سکیں۔

اس سال کے نتیجہ کا حال لکھنے سے پہلے کینیا کے دو مشہور کارسواروں کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ پہلے جگندر سنگھ ہیں جو ۱۹۶۵ء میں ایک سیکنڈ ہینڈ والو میں اوّل آئے۔ بعض نے خیال کیا کہ سردار جی اتفاقاً اوّل آ گئے ہیں۔ مگر انہوں نے ۱۹۷۴ء میں پھر اوّل آ کر ثابت کر دیا کہ پہلی بار بھی وہ اتفاقاً نہیں بلکہ ارادتاً اوّل آئے تھے۔ ۱۹۷۶ء میں تیسری بار اوّل آ کر ایک ایسا اعزاز حاصل کر لیا جو اُس وقت تک کسی نے حاصل نہیں کیا تھا۔ یہ پہلے غیر یورپین تھے جو ریلی میں اوّل آئے تھے۔ انہیں بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی اور وہ مشرقی افریقہ کے شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں فلائنگ سکھ (FLYING SIKH) کے نام سے مشہور ہو گئے۔ جب انہوں نے دوبارہ اور سہ بارہ ریلی جیت لی تو انہیں شیرِ کینیا کا خطاب ملا۔ اس سال پہلی ریلی تھی جس میں وہ شریک نہیں ہوئے۔

کینیا کے دوسرے مشہور سوار شیکھر مہتہ (SHEKHAR MEHTA) ہیں۔ انہوں نے پہلی بار ریلی ۱۹۷۳ء میں ڈیٹسن میں جیتی اور پھر ہمیشہ کے لئے ڈیٹسن کے ہی ہو گئے۔ ۱۹۷۹ء میں پھر ڈیٹسن ہی میں انہوں نے ریلی جیتی۔ ۱۹۸۰ء میں بھی وہی جیتے اور ڈیٹسن ہی میں۔ اس سال بھی وہی جیتے مگر عجیب طرح سے۔ مفصّل ذکر آگے آئے گا۔

فن لینڈ کے مایۂ ناز کارسوار آلٹونن (AALTONEN) سے زیادتی ہو گی اگر اُن کا خصوصی ذکر نہ کیا گیا۔ انہیں فلائنگ فن (FLYING FINN) کا قابلِ فخر لقب حاصل ہے اور وہ ۱۹۶۲ء سے بڑے ہی استقلال سے باقاعدگی کے ساتھ سفاری ریلی میں حصہ لیتے رہے ہیں اور اس دوران میں انہوں نے سوائے اوّل آنے کے باقی ہر قابلِ فخر پوزیشن حاصل کی ہے۔ اس سال کے شرکاء میں سے وہ سب سے زیادہ تجربہ کار سوار تھے اور بہت سے لوگوں نے شرط لگا رکھی تھی کہ وہی جیتیں گے۔

اس سال ریلی کا اختتام بہت ہی ہنگامہ خیز رہا۔ منتظمین کی طرف سے یکے بعد دیگرے تین متضاد اعلانات اوّل آنے والے سوار کے

ہوئے۔ ریلی کی دَوڑ ختم ہوئی تو ساتھ ہی اوّل پوزیشن کے فیصلہ کی آئینی جنگ شروع ہوگئی۔

ریلی کی تکمیل کے دن مطلع صاف رہا۔ سارا نیروبی اس سڑک پر اُمڈ آیا جس پر سے ریلی کی کاریں سہ پہر کو نیروبی میں داخل ہونے والی تھیں۔ ہم نے بھی کیچڑ میں لت پت خستہ حال کاروں کی واپسی کا منظر دیکھا۔ پہلے نیروبی پہنچنے والی کار مہتہ کی تھی۔ لوگ بہت خوش ہوئے کہ ان کا پسندیدہ سوار اوّل آگیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد مہتہ کے اوّل آنے کا عارضی (PROVISIONAL) اعلان کر دیا گیا۔

آلٹونن (جس کی کار دوسرے نمبر پر پہنچی) نے جب یہ اعلان سُنا تو اس فیصلہ کے خلاف اپیل کر دی اور کہا کہ صرف ایک سیکشن میں اس کو مہتہ سے زیادہ منفی نمبر ملے ہیں اور اس سیکشن میں اس کی تاخیر کی وجہ نقشے میں ایک غلط فاصلے کا اندراج تھا۔ نقشے میں واقعی وہ فاصلہ اس فاصلے سے ۱۰ کلومیٹر کم درج تھا۔ منتظمین نے اس کے دعویٰ کو صحیح تسلیم کیا اور جلد ہی دوسرا اعلان آلٹونن کی کامیابی کا کر دیا گیا۔

مہتہ جس کی یہ کامیابی اسے بیک وقت دو ریکارڈ قائم کرنے کا موقعہ دے رہی تھی یعنی ریلی میں چار بار اوّل آنے اور مسلسل تین سال اوّل آنے کا اس نے فوراً نئے فیصلہ کو چیلنج کیا مگر منتظمین نے اس کا احتجاج رد کر دیا۔ اس پر حسب قواعد اُس نے کینیا آٹوموبیل ایسوسی ایشن کے پاس اپیل کی تو ان کی ایک سب کمیٹی نے تمام معاملہ کا جائزہ لیا اور تفصیلی غور کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی کہ پہلا فیصلہ درست تھا اور جیتا فی الواقعہ مہتہ ہے۔ آلٹونن کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ نقشے کی غلطی کے باعث اسے ایک سیکشن میں تاخیر ہوئی۔ تاخیر کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس کی کار کا ایک شافٹ ٹوٹ گیا تھا جس کو بدلنے میں کافی وقت لگا تھا۔ اس طرح مہتہ کی کامیابی کو جو عارضی خطرہ لاحق ہوا تھا وہ اس فیصلہ سے دُور ہوگیا۔

اس سال کے اوائل میں جب سفاری ریلی کے انعقاد کے بارے میں خبریں آنی شروع ہوئیں تو پریس میں یہ دلچسپ سوال اٹھایا گیا کہ تیل کی آسمان پر پہنچتی ہوئی قیمت کے پیش نظر جبکہ ملک کی معیشت اس کی درآمد کے بوجھ تلے سسک رہی ہے آیا اس قسم کی مہنگی تفریح کو اپنے سارے کرّ و فر کے ساتھ باقی رہنا چاہیئے؟

ریلی کے مخالفین کے دلائل کا خلاصہ یہ تھا:-

ریلی میں شرکت کرنے والی کاروں، سروس گاڑیوں اور دوسری متعلقہ ٹرانسپورٹ پر سالانہ تین لاکھ لیٹر پٹرول خرچ ہوتا ہے جس پر پانچ لاکھ شلنگ زرِ مبادلہ اُٹھتا ہے۔

ریلی کا ابتداء میں یہ مقصد تھا کہ کاروں کے ڈیزائن کو بہتر بنانے کے لئے اس سے مدد ملیگی اور اوّل آنے والی گاڑی اپنی نوع (MAKE) کی

دوسری گاڑیوں کی مضبوطی اور پائیداری کی گارنٹی ہوگی مگر اب اُن میں سے کوئی مقصد بھی پُورا نہیں ہو رہا۔

کیونکہ ریلی میں عام کاریں جنہیں ہم شوروم سے خرید سکتے ہیں استعمال نہیں ہوتیں بلکہ اس مقصد کیلئے خصوصی طور پر تیار کی جاتی ہیں اور انہیں عام کاروں سے اُسی قسم کی نسبت ہو سکتی ہے جو ایک منجھے ہوئے اتھلیٹکس چیمپئن سے ایک کارخانے میں کام کرنے والے مزدور کو ہو سکتی ہے۔

ریلی کے حامیوں کا جواب کچھ یوں تھا:۔

ریلی بے چاری تو ہمارے ہر دس ہزار لیٹر میں سے صرف ایک لیٹر پٹرول خرچ کرتی ہے اور پٹرول کی یہ معمولی مقدار تو اُس سے بھی کم ہے جتنی اکیلی نیروبی کی کاریں اور گاڑیاں روزانہ خرچ کرتی ہیں حتیٰ کہ اگر ہم ہر سال کی بجائے ہر ہفتے بھی سفاری ریلی کریں تو بھی ہماری مجموعی معیشت پر کوئی ایسا ناگوار اثر نہیں پڑیگا۔ اور تو اور سفاری ریلی پر جتنا خرچ آتا ہے اُس سے سَو گنا زیادہ زرِ مبادلہ تو ہم صرف غیر ملکی بیئر کی درآمد پر خرچ کر دیتے ہیں۔ اور پھر ریلی صرف خرچ ہی نہیں کراتی ہمارے لئے قیمتی زرِ مبادلہ بھی لاتی ہے۔ ہزاروں غیر ملکی سیاح اسے دیکھنے آتے ہیں۔ گاڑیاں بنانے والی کمپنیاں لاکھوں پاؤنڈ زرِ مبادلہ کینیا میں خرچ کرتی ہیں۔ ریلی سے کینیا کو "عظیم ترین ریلی" کرانے والے ملک کی حیثیت سے جو پبلسٹی ملتی ہے اُس سے سیاحت کو فروغ ملتا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ یہ مرغی اگر ایک شلنگ کا دانہ کھاتی ہے تو بارہ شلنگ سے زیادہ قیمت کا انڈہ دیتی ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم زیادہ تیل حاصل کریں تو ہمیں اَور زیادہ سفاری ریلیاں منعقد کرنی چاہئیں تاکہ ہمیں اَور زیادہ زرِ مبادلہ ملے۔

اس دَوران میں اِس موضوع پر بھی روشنی پڑی کہ کیا وجہ ہے کہ ریلی میں شریک بہت سی کاریں اُلٹتی ہیں اور دوسرے بظاہر خطرناک حادثات سے دوچار ہوتی ہیں مگر شاذ ہی سُننے میں آتا ہے کہ کسی سوار کو خطرناک چوٹ لگی ہو۔ پتہ یہ چلا کہ ان گاڑیوں کے اندر مضبوط سلاخوں کا بنا ہوا ایک اضافی جنگلہ لگایا جاتا ہے جو اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ گاڑی کتنے ہی زور سے کیوں نہ اُلٹے یا ٹکرائے اس کی باڈی پچکنے

معیارِ فتح

ملک شاہ سلجوقی ایک دن اپنے وزیرِ اعظم نظام الملک طوسی کے ساتھ جامع مسجد میں نماز پڑھنے گیا۔ نماز کے بعد اس نے نظام الملک سے پوچھا "آپ نے نماز میں کیا دُعا مانگی؟" نظام الملک نے کہا ——

"جہاں پناہ! مَیں نے یہ دُعا مانگی ہے کہ آپ اپنے بھائی کے مقابلہ پر فتح یاب ہوں"۔ شاہ مسکرایا اور کہا "ہم نے تو یہ دُعا مانگی ہے کہ دونوں میں سے جو بھی رعایا کا اچھی طرح خیال رکھ سکے اور بہتر طریقہ سے حکومت کر سکے وہ فاتح ہو"۔

سے بچ جائے گی اور سوار کو خطرہ بہت کم ہو جائیگا اسی طرح یہ سوار سپیشل سیفٹ بیلٹ باندھے رکھتے ہیں جو ٹکر وغیرہ کی صورت میں چوٹ کا اثر بہت کم کر دیتی ہے۔

انہی دنوں اصول پرستی کی ایک عمدہ مثال سامنے آئی۔ بی بی سی اس ریلی کو ہر سال فلمایا کرتی تھی اور ٹی وی کے انٹرنیشنل رابطے پر یہ فلمیں دکھائی جاتی تھیں مگر جب دو سال قبل سگریٹ بنانے والی ایک کمپنی نے اس ریلی کے جملہ انتظامات کے اخراجات اُٹھانے کی ذمّہ داری اٹھالی اور اس کی شہرت کو اپنی مصنوعات کی تشہیر کا ذریعہ بنا لیا تو بی بی سی نے ریلی کو فلمانا بند کر دیا، صرف اس وجہ سے کہ سگریٹ جن کی پبلسٹی ریلی کے دَوران ہوتی ہے صحت کیلئے مضر ہیں۔

اس پر مجھے مشہور ماہنامہ ریڈرز ڈائجسٹ کی عمدہ مثال بھی یاد آئی جس نے اس وجہ سے سگرٹوں کے اشتہار دینے بند کر دیئے ہیں حالانکہ مغربی دنیا میں اخبارات و رسائل کے لئے سگرٹ کے اشتہارات ریڑھ کی ہڈی سمجھے جاتے ہیں۔

کاش یہ ادارے اگلا یہ قدم بھی اُٹھائیں کہ "اُمّ الخبائث" کی تشہیر سے بھی دستکش ہو جائیں کیونکہ تمام خبیث عادات کی یہ ماں تو تمباکو نوشی سے کہیں زیادہ مضر اور انسانی معاشرے کی اقدار کو کہیں زیادہ شدت سے پامال کرنے والی ہے ٭

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔

"اے لوگو! تمہارے لئے کچھ ذرائع علم ہیں انہی پر اکتفا کرو۔ اور تمہارے لئے کچھ حدود ہیں اُن سے آگے نہ بڑھو۔ درحقیقت بندہ دو خطروں کے درمیان ہے۔ ایک خطرہ وہ مدّت ہے جو گزر چکی اور اُسے نہیں معلوم کہ اللہ اس کے بارہ میں کیا کرنے والا ہے۔ دوسرا خطرہ وہ مدّت ہے جو آنے والی ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اللہ اس میں کیا فیصلہ کرنے والا ہے۔ بندہ کو اپنے نفس سے اپنی بھلائی کے لئے، اپنی دنیا سے اپنی آخرت کے لئے، اپنی جوانی سے اپنے بڑھاپے کے لئے، اپنی زندگی سے اپنی موت کے لئے کچھ بھلائیوں کا توشہ ہمراہ لیجانا چاہیئے۔ اُس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے موت کے بعد رضا جوئی مولیٰ کا کوئی موقعہ نہیں۔ نہ دنیا کے بعد جنّت و جہنّم کے سوا کوئی ٹھکانا۔"

(تاریخ ادب عربی از حسن زیات)

داغؔ کی زبان اور اندازِ بیان

(جناب مسعود احمد خان صاحب دہلوی ربوہ)

(۲)

(سلسلہ کے لئے دیکھئے خالد ماہ جون ۱۹۸۱ء)

تکرار کے ذریعہ حُسن میں نکھار کی دلآویز کیفیت

داغؔ کے کلام میں زبان اور اندازِ بیان کی ایک اور بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے صنعتِ تکرار سے کام لے کر حُسنِ سخن کو دوبالا کرنے، الفاظ کو نت نئے معانی پہنانے اور ان میں مختلف النوع تاثر کو سمونے میں کمال کر دکھایا ہے ــــ بالعموم بعض الفاظ کو تکرار اس لئے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ عمومیت کا تاثر پیدا ہو سکے۔ میں اسے ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔ مہاراج بہادر برقؔ دہلوی برسات کے پُرکیف منظر کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں ؎

گھرا ہوا سرِ فلک جو ابرِ قطرہ بار ہے
خزاں پہ اوس پڑ گئی چمن چمن بہار ہے
گُلوں کے رُوئے صاف پر کمال کا نکھار ہے
ورق ورق ہے خوشنما نظر نظر نثار ہے
....
جمی تھی برگ برگ پر جو گرد اب وہ دُھل گئی
کلی کلی نکھر گئی گرہ دلوں کی کھُل گئی

اِس بند میں چمن چمن، ورق ورق، نظر نظر، برگ برگ اور کلی کلی سے ہر چمن، ہر ورق، ہر نظر، ہر برگ اور ہر کلی مراد ہے۔ گویا الفاظ کی تکرار نے عمومیت کا تاثر پیدا کر دکھایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چمن، کوئی ورق، کوئی نظر، کوئی برگ اور کوئی کلی ایسی نہیں ہے جو برسات کے طفیل رعنائی اور شگفتگی سے ہمکنار نہ ہوئی ہو۔ اس تکرار کے نتیجہ میں اندازِ بیان میں جو خوبصورتی پیدا ہوئی ہے وہ اس پر مستزاد ہے۔

داغؔ نے اپنے کلام میں اِس اُسلوب سے فائدہ اُٹھانے پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ تکرار کے بعض نئے اسالیب سے کام لے کر حُسنِ سخن کو نکھارا ہے، الفاظ کو نئے معنے پہنائے ہیں اور پھر اُن میں مختلف النوع تاثر کو بڑی خوبی اور خوبصورتی سے سمویا ہے۔ چونکہ تکرار کی اوّل الذکر صنعت جو عمومیت کے تاثر کی مظہر ہے شعراء کے کلام میں عام ہے اِس لئے فی الوقت میں

داغ کے کلام میں سے تکرار کی مؤخر الذکر صنعت کے نمونے ہی پیش کروں گا۔ میری مراد تکرار کی اس صنعت سے ہے جس کا تعلق حسنِ سخن کو نکھارنے اور الفاظ میں مختلف النوع تاثر سمونے سے ہے۔ مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں ؎

(۱) جھٹک جھٹک کے وہ دامن کو اپنے دیکھتے ہیں
مٹی مٹی مرے مشتِ غبار کی صورت

اس شعر کے پہلے مصرعہ میں لفظ "جھٹک" کی تکرار سے بار بار جھٹکنے کا مفہوم ہی پیدا نہیں ہو رہا بلکہ اس تکرار میں انتہائی نفرت کا تاثر بھی سمویا ہوا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں "مٹی مٹی" کے الفاظ بار بار مٹنے کے مفہوم کے آئینہ دار نہیں ہیں بلکہ ان میں انتہائی ملال کا تاثر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ شعر میں مضمون یہ بیان ہوا ہے کہ — میں محبوب کے عشق میں مر کر خاک ہو گیا لیکن اسے رام کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مر مٹنے کے بعد میری خاک جذبۂ عشق کے زیرِ اثر اُڑ اُڑ کر محبوب کے دامن سے جا لپٹی۔ محبوب نے اپنے دامن کو بار بار جھٹک کر یہ دیکھنا شروع کر دیا کہ مجھ خانہ خراب کی مٹی کپڑوں سے جھڑی یا نہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ میں تو مٹا ہی تھا اس اظہارِ نفرت کے نتیجہ میں میرے مشتِ غبار کی صورت بھی مٹی جا رہی ہے — دامن کو بار بار جھٹکنے سے صاف عیاں ہے کہ محبوب نفرت کے جذبہ کے ماتحت یہ نہیں چاہتا کہ عاشق کی خاک کا ایک ذرہ بھی اس کے دامن کے ساتھ لگا رہ جائے۔ اسی طرح "مٹی مٹی" کی تکرار بتا رہی ہے کہ عاشق محبوب کی جانب سے اس اظہارِ نفرت پر تڑپ اُٹھا ہے اور کفِ افسوس ملتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ ہائے ہائے میرے مشتِ غبار کی رہی سہی صورت بھی معدوم ہوئی جا رہی ہے۔ "جھٹک جھٹک" اور "مٹی مٹی" کی تکرار کے بغیر ان ہر دو الفاظ کے معانی میں یہ وسعت اور تاثر کی یہ بوقلمونی پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔

(۲) الفاظ کی تکرار سے نئے معنے اور نیا تاثر پیدا کر دکھانے کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ داغ کہتے ہیں ؎

تمہارے گھر سے کوئی شخص کیا بگڑ کے گیا
لُٹی لُٹی ہے یہ آرائشِ مکاں کیسی

"لُٹی لُٹی" کی تکرار سے داغ نے یہ معنے پیدا کئے ہیں کہ مکان کی آرائش لُٹی تو نہیں البتہ جسدِ بے جان کی مانند ہو گئی ہے۔ آرائش ظاہری حالت میں تو جُوں کی تُوں قائم ہے لیکن کسی کے بگڑ کر چلے جانے اور نتیجۃً اُداسی چھا جانے کے باعث وہ ماند پڑ گئی ہے اور لُٹی ہوئی نہیں بلکہ لُٹی ہوئی سی معلوم ہوتی ہے۔ اس مفہوم سے تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ دراصل ایک ایسے شخص کے بگڑ کر چلے جانے کے باعث جسے محبوب خود بھی چاہتا ہے محبوب پر افسردگی چھا گئی ہے اور اس کے افسردہ ہو جانے کی وجہ سے آرائشِ مکان لُٹی لُٹی نظر آ رہی ہے۔

(۳) صنعتِ تکرار کی ایک اور مثال سنیئے۔ داغ کہتے ہیں ؎

ادا ادا سے چُھری پھیرتے رہو مجھ پر
ہنسی ہنسی میں مرا دم نکالتے جاؤ

اِس شعر میں "ادا ادا" سے "ہرادا" مراد ہے اور
"ہنسی ہنسی میں" سے مراد ہے "دل لگی کے پردہ میں"۔
مفہوم یہ بنتا ہے کہ عاشق اپنے معشوق کی ہر ہر ادا پر
قربان ہو رہا ہے اور چاہتا یہ ہے کہ معشوق ادائیں
دکھاتا ہی رہے اور ادائیں دیکھتے دیکھتے ہی اُس کی
جان نکل جائے تو وہ بھر پائے۔ داغ نے "ادا ادا"
سے اپنے پر چھُری پھروا کر اور "ہنسی ہنسی" میں دم نکلنے
کی تمنا کا اظہار کر کے شعر میں جان ڈال دی ہے۔

(۴) بعض اشعار میں داغ نے صنعت تکرار
اور صنعتِ تضاد سے بیک وقت کام لے کر حُسنِ سخن
کو دوبالا کرنے میں کمال مہارت کا ثبوت دیا ہے۔
مثال کے طور پر یہ دو شعر سُنیئے ؎

(ا) آئے تھے گھر میں مرے آگ ببولا بن کر
ٹھنڈے ٹھنڈے وہ گئے بادِ سحر کی صورت
(ب) ہوا ہوں ذبح نزاکت بھرے جو ہاتھوں سے
وہ نرم نرم اُٹھائی ہیں سختیاں مَیں نے

پہلے شعر میں آگ ببولا کے مقابلہ میں "ٹھنڈے
ٹھنڈے" کی تکرار نے شعر کے حُسن کو ہی دوبالا نہیں کیا
بلکہ انتہائی غصہ اور برہمی کے بالمقابل کمال درجہ طمانیت کا
تاثر بھی اِس میں کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اِسی طرح
دوسرے شعر میں نرم نرم سختیاں اُٹھانے کے ذکر میں جہاں
صنعتِ تضاد کی ایک نادر مثال پیش کی گئی ہے وہاں
"نرم نرم" کی تکرار سختیوں کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے
لطف کو آشکار کر رہی ہے۔

(۵) صنعتِ تکرار سے کام لے کر معنوں میں
وسعت پیدا کرنے کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو ؎

تُو ہی اپنے ہاتھ سے جب دلربا جاتا رہا
دل کی بھی پروا نہیں جاتا رہا جاتا رہا
داغ کچھ دِرہم نہ تھا جس کا نہیں ہوتا ملال
ہو گیا گم ہو گیا، جاتا رہا جاتا رہا

داغ نے اِن ہر دو اشعار میں "جاتا رہا" کو بہ تکرار
لا کر "اگر جاتا رہا تو کیا غم ہے" کے مفہوم کو نہایت لطیف
پیرائے میں ادا کیا ہے۔ تکرار کا یہ انداز اُس وقت اختیار کیا
جاتا ہے جب بڑے نقصان کے بالمقابل نسبتاً چھوٹے
نقصان کو اہمیت نہ دینا اور اظہارِ ملال نہ کرنا مقصود
ہو صنعتِ تکرار سے معنوں میں وسعت پیدا کرنے کی یہ
ایک نادر مثال ہے۔

(۶) اگر کوئی چیز بیک وقت دو متضاد کیفیتوں
کی حامل ہو تو اُردو میں کیفیتوں کے اس تضاد کو بھی بعض
الفاظ بہ تکرار استعمال کر کے ہی ادا کیا جاتا ہے۔ داغ
نے اپنے اشعار میں صنعتِ تکرار کے اِس اسلوب سے
بھی فائدہ اُٹھایا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں ؎

چُبھتا ہے مرے دل میں ترے ناز کا انداز
آزار کا آزار ہے، انداز کا انداز

دوسرے مصرعہ میں بیک وقت "آزار" اور
"انداز" کو بہ تکرار لا کر یہ مفہوم پیدا کیا ہے کہ محبوب کے
ناز کا انداز دلربا بھی ہے اور باعثِ آزار بھی۔ یعنی
بیک وقت دو متضاد کیفیتوں کا حامل ہے۔

(۷) ہر فعل کا ایک ردِّ عمل ہوتا ہے بعض اوقات
ردِّ عمل میں تواتر کی کیفیت بھی پیدا ہو جاتی ہے اور

یکے بعد دیگرے ردِّ عمل ظاہر ہوتا چلا جاتا ہے۔
ردِّ عمل کے اس تواتر کو بھی اردو میں صنعتِ تکرار سے ادا کرتے ہیں صنعتِ تکرار کے اس اسلوب کی مثالیں بھی کلام داغ میں بکثرت پائی جاتی ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

(ا) دکھایا ہی نہیں تُونے تو اے پردہ نشیں جلوہ
دُہائی پر دُہائی پھر پسِ دیوار کیسی ہے

(ب) تری تلوار کے قربان اے سفّاک کیا کہنا
اِدھر کشتہ پہ کشتہ ہے اُدھر بسمل پہ بسمل ہے

(ج) ادا سے تیری مگر کھچ رہی ہیں تلواریں
نگاہ نگاہ سے چھُری پہ چھُری نکلتی ہے

اِن اشعار میں دُہائی پر دہائی، کشتہ پہ کشتہ، بسمل پہ بسمل، چھُری پہ چھُری کی تکرار سے یہ تاثر پیدا کرنا مقصود ہے کہ یکے بعد دیگرے دہائی دہائی کا شور اُٹھتا چلا جا رہا ہے، ایک کشتہ کے بعد دُوسرا کشتہ گر رہا ہے، ایک بسمل کے بعد دوسرا بسمل تڑپ رہا ہے اور ایک چھُری کے بعد دوسری چھُری نکلتی چلی آ رہی ہے۔ گویا ردِّ عمل کا ایک تسلسل ہے جو ٹوٹنے میں ہی نہیں آتا۔

(۸) صنعتِ تکرار کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ اس کی مدد سے بعض اوقات "لاثانی" کے معنے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اس کی مثال بھی ملاحظہ ہو داغ کہتے ہیں ؎

وہ چال، چال ہے جو تمہارے چلن میں ہے
وہ بات بات ہے جو تمہارے سخن میں ہے

اِس شعر میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ چال کہلانے کی مستحق صرف میرے محبوب کی چال ہے اور بات کہلانے کی مستحق صرف وہی بات ہے جو میرے محبوب کے مُنہ سے نکلی ہو۔ گویا رفتار و گفتار میں میرا محبوب اپنا جواب نہیں رکھتا یا بالفاظِ دیگر اس اعتبار سے میرے محبوب کا کوئی ثانی نہیں ہے محض الفاظ کی تکرار سے ہی لاثانی ہونے کا تاثر پیدا کر دکھانا قادر الکلام ہونے کا ایک بیّن ثبوت ہے۔

(۹) پھر داغ نے صنعتِ تکرار کا ایک اچھوتا اسلوب یہ اختیار کیا ہے کہ وہ بعض اشعار میں ایک ہی لفظ یا جملہ کو دو دو کی بجائے تین تین بار دُہراتے ہیں کسی لفظ کو بہ تکرار دو بار باندھنا تو دوسرے شعراء کے ہاں بھی عام ہے لیکن ایک ہی لفظ یا جملہ کو تین بار اس خوبی سے باندھنا کہ تکرار گراں نہ گزرے بلکہ اس کے نتیجہ میں ایک خاص تاثر پیدا ہو کر بات کو خوبصورت بنا دے یہ داغ کا ہی کمال ہے۔ مثال کے طور پر وہ ایک ہی لفظ یا جملہ کو تین بار دُہرا کر قطعیت کا تاثر پیدا کر دکھاتے ہیں۔ دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

(ا) وصل میں جھوٹی تسلّی کے سوا کیا ہوگا
بہت اچھا، بہت اچھا، بہت اچھا ہوگا

(ب) نہیں چھُپتی، نہیں چھُپتی، نہیں چھُپتی اُلفت
سب کہے دیتے ہیں آثار کہوں یا نہ کہوں

پہلے شعر میں پُوری قطعیت کے ساتھ یہ تاثر دیا گیا ہے کہ وصل میں ہر سوال کا جھُوٹی تسلّی کے رنگ

میں ایک ہی جواب ملے گا یعنی یہ کہ معشوق ہر سوال کے جواب میں یہی کہہ دے گا کہ "بہت اچھا جناب" اور ہو ہوائے گا کچھ نہیں۔ اسی طرح دوسرے شعر میں "نہیں چھپتی" کے الفاظ کو تین بار دہرا کر پوری قطعیت کے ساتھ یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ لاکھ چھپاؤ اُلفت کسی صورت چھپ نہیں سکتی۔ یہ ناممکنات میں سے ہے کہ اُلفت ہو اور پھر وہ چھپی رہے۔

بعض اشعار ایسے بھی ہیں جن میں داغ نے ایک ہی لفظ کو تین تین بار دہرایا ہے اور اُن میں بظاہر قطعیت کا تاثر پیدا نہیں ہوتا اور اس بناء پر وہ تکرار بھونڈی اور بے ہنگم سی معلوم ہونے لگتی ہے لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو ان میں بھی داغ نے نئے معنی پیدا کر دکھائے ہیں۔ اور جونہی ذہن ان معانی کی طرف منتقل ہوتا ہے الفاظ کی تکرار کا حسن فوراً نکھر کر سامنے آجاتا ہے اور قطعیت کا تاثر ذہن پر مرتسم ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ مثال کے طور پر ایک شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

قیامت کب اُس قد کی ثانی نہیں ہے
جوانی جوانی جوانی نہیں ہے

اس شعر میں لفظ "جوانی" کی تین مرتبہ تکرار بظاہر بے معنی معلوم دیتی ہے لیکن اگر پہلے دو الفاظ یعنی "جوانی جوانی" کو ملا کر پڑھا جائے اور تیسری بار "جوانی" کے لفظ کو کسی قدر توقف کے ساتھ زبان سے ادا کیا جائے تو معنی یکدم واضح ہو جاتے ہیں اور حسنِ سخن نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اب ذرا دوسرے مصرعہ کو یوں پڑھئے "جوانی جوانی — جوانی نہیں ہے" اِس سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ اِس میں "جوانی جوانی" سے مراد "ہر جوانی" ہے عمومیت کے اس تاثر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مصرعہ کا مطلب یہ ہوا کہ میرے محبوب کی جوانی کے آگے کسی کی جوانی بھی جوانی کہلانے کی مستحق نہیں رہتی۔ اِس مفہوم میں قطعیت نہیں تو اور کیا ہے۔

(۱۰) صنعتِ تکرار کی مدد سے ایک خاص تاثر پیدا کرنے کے سلسلہ میں داغ نے ایک اور اچھوتا اسلوب اختیار کیا ہے کہ وہ کسی غزل میں قافیہ کو اور کسی غزل میں ردیف کو بہ تکرار لاتے ہیں۔ اِس تکرار کے نتیجہ میں جہاں بات میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے وہاں ایک شعر کے بعد دوسرے شعر میں وہ تاثر مسلسل چلتا اور راسخ سے راسخ تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

(ا) پہلے قافیہ کی مثال ملاحظہ ہو۔ ان کی ایک مشہور غزل ہے ؎

مزے لوں درد کے میں تھوڑے تھوڑے ظلم سہہ سہہ کر
ستم کیجے تو تھم تھم کر جفا کیجے تو رہ رہ کر
ملے تھے آج مدت میں بہت روئے بہت تڑپے
وہ دردِ عشق سُن سُن کر ہم اپنا درد کہہ کہہ کر
ہوئی ہے شمع محفل تو شریک گریۂ عاشق
تجھے اے قلقلِ مینا کہا تھا کس نے قہہ قہہ کر
چھپایا زلف نے چہرہ تو شوخی نے کیا ظاہر
ہزاروں بار نکلا وصل کی شب چاند گہہ گہہ کر

تڑپنے میں مزا آتا ہے اِس کم بخت کے ہم کو
اگر دل یاس سے بیٹھا اُبھارا ہم نے کہہ کہہ کر
ٹھکانا کیا ہے جب جوشِ محبت جوش پر آئے
جنابِ خضر کی بھی ناؤ ڈوبے اس میں بہہ بہہ کر
یہ جانا تھا نہ آئیں گے تو کیوں جانے دیا ان کو
یہی اے داغ پچھتاوا مجھے آتا ہے رہ رہ کر

قوافی اور بعض دیگر الفاظ کی تکرار میں سوز و ساز اور ترنّم کی ایک خاص کیفیت ہے جسے ہم حُسنِ سخن کی جان کہہ سکتے ہیں۔ مزید برآں مسلسل ظلم سہنے اور تڑپنے کی کیفیت میں درمیانی وقفے ظاہر ہونے اور پھر ان وقفوں کے نتیجہ میں جذبۂ شوق کے تیز سے تیز تر ہونے کا جو تاثر مطلع پڑھنے سے پیدا ہوتا ہے وہ مقطع تک نہ صرف اسی شدّت سے قائم رہتا ہے بلکہ راسخ سے راسخ تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس میں کہیں جھول پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(ب) اب ردیف میں تکرار اور اس کے نتیجہ کے طور پر حُسنِ کلام میں نکھار اور تاثر میں ہمہ گیری پیدا ہونے کی مثال ملاحظہ ہو۔ یہ غزل بھی ان کی انتہائی مقبول اور مشہور غزلوں میں سے ایک ہے ؎

کافروہ زلفِ پُرشکن ایک اسطرف ایک اسطرف
پھر اُس پہ چشم سحر فن ایک اسطرف ایک اسطرف
زلفوں کی یہ سرگوشیاں دل پر بلائیں لائیں گی
غمّاز ہے گرمِ سخن ایک اس طرف ایک اسطرف
دل ایک تنہا بیچ میں آنکھیں تری سفّاک دو
شمشیر زن ناوک فگن ایک اسطرف ایک اسطرف

رخسار تیرے سیمگوں اور اس پہ گلگونے کا رنگ
پھولا ہے کیا رنگیں چمن ایک اسطرف ایک اسطرف
ہیں آسمانِ حُسن کے روشن ستارے مہ جبیں
بازو پہ تیرے نور تن ایک اس طرف ایک اسطرف
تُو اور دہنے بائیں ہوں لیلیٰ و شیریں بزم میں
مَیں اور قیس و کوہکن ایک اس طرف ایک اسطرف
دل کی، جگر کی، جائے کیا افسردگی پژمردگی
زخمِ کہن داغِ کہن ایک اس طرف ایک اسطرف
ہنگامِ رحلت دیکھئے دل کس طرف اپنا جھکے
بیٹھے ہیں شیخ و برہمن ایک اسطرف ایک اسطرف
مَیں مرگیا ہوں وصل میں راحت ہو ہر پہلو مجھے
تکیے ہوں دو زیرِ کفن ایک اسطرف ایک اسطرف
دونوں فرشتے دوش پر کیا لکھ سکیں حالت مری
آلودہ رنج و محن ایک اسطرف ایک اسطرف
اِترا رہا ہے داغ کیا ہنگامِ گلگشتِ چمن
رنگیں قبا گُل پیرہن ایک اسطرف ایک اسطرف

اس غزل میں بھی الفاظ کی موزونیت اور ان کی ترنّم ریز صوتی کیفیت نیز ردیف میں "ایک اسطرف ایک اسطرف" کی تکرار نے حُسنِ سخن کو عجب رعنائی سے ہمکنار کر دکھایا ہے۔ مزید برآں تکرار کے اس اسلوب سے کام لے کر حُسن کے سانچے میں ڈھلے ہوئے محبوب کا سراپا بیان کرنے میں تقابل و توازن کے جس تاثر کو اُبھارا گیا ہے وہ ایک شعر کے بعد دوسرے شعر میں پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا گیا ہے۔

یہ سب مثالیں اِس امر پر دال ہیں کہ داغ نے

صنعتِ تکرار سے حُسنِ سخن کو دوبالا کرنے، الفاظ کو نئے معانی پہنانے اور ان میں مختلف النوع تاثر کو سمونے میں کمال کر دکھایا ہے۔ ان کا یہ کمال زبان پر قدرت اور اندازِ بیان کی ندرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ایک ہی لفظ کو بیک وقت مختلف معانی میں استعمال کرنے کی صنعت

داغ کے کلام میں زبان اور اندازِ بیان کا ایک اور بہت بڑا وصف بھی پایا جاتا ہے۔ یہ وصف الفاظ کے مختلف النوع معانی سے فائدہ اٹھا کر انہیں بیک وقت ایک ہی شعر میں بار بار استعمال کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسے الفاظ کی تکرار شعر میں صوتی حُسن پیدا کرنے کے علاوہ اسے معنوی حسن سے بھی مالا مال کر دکھاتی ہے۔ اس سے حُسنِ سخن میں نکھار کی ایک انتہائی دل آویز کیفیت اُجاگر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔

دوسری زبانوں کی طرح اُردو میں بھی ایسے الفاظ کی کمی نہیں ہے جو کئی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ داغ ایسے ذو معانی الفاظ میں سے ایک لفظ کو ایک شعر میں بار بار استعمال کرتے ہیں اور کرتے بھی ہیں اس انوکھے طریق سے کہ ہر بار وہ لفظ نئے معنے دیتا اور بیان کردہ مضمون کو لطیف سے لطیف تر بناتا چلا جاتا ہے۔ اس مخصوص صنعت اور اس کے زیرِ اثر حُسنِ سخن میں رُونما ہونے والے نکھار کی بعض مثالیں ملاحظہ ہوں۔

داغ کہتے ہیں ؎

افراط و تفریط

مالوے کا حاکم محمود اپنے لباس اور غذا میں جائز اور ناجائز کا بہت خیال رکھتا تھا۔ سفر میں لکڑی کے تختوں پر اُگائی ہوئی سبزیاں ساتھ رہتیں۔ ایک بار الہ آباد کے محاصرے نے طول پکڑا اور سبزیاں ختم ہو گئیں۔ اس علاقہ میں ایک بزرگ مولانا شمس الدین رہتے تھے محمود اُن کے پاس گیا اور کہا۔ مولانا! کسی نہایت دیانتدار شخص کا پتہ بتائیے اس سے سبزیاں خریدنی ہیں۔ بزرگ نے کہا محمود! افسوس تو ایک طرف تو گھر کے گھر اُجاڑنے میں مصروف ہے اور دوسری طرف سبزیاں خریدنے میں حلال و حرام کی احتیاط کر رہا ہے۔

(۱) آپ پھنس جائیں گے ہم آپ نہ تکلیف کریں
یہ تو فرمائیے دو دن میں اگر چھوڑ دیا

پہلے مصرعہ میں "آپ" کا لفظ دو دفعہ استعمال ہوا ہے، پہلے صیغہ متکلم میں بمعنی "خود" اور پھر صیغہ مخاطب کے طور پر۔ دو مختلف معانی میں "آپ" کی یہ تکرار اندازِ بیان کی لطافت پر دلالت کرتی ہے۔

(۲) قاصد کو چٹکیوں میں ہمیشہ اُڑا دیا
اُس شوخ کا بھی شوخ ہے بے انتہا مزاج

اس شعر میں داغ نے "شوخ" کے لفظ کو پہلے تو بمعنی معشوق استعمال کیا ہے اور پھر لفظِ "شوخ"

سے ہی معشوق کے شرارت آمیز مزاج کی طرف اشارہ
کرکے خود شعر کو نہایت لطیف شوخی کا آئینہ دار بنا دیا
ہے۔

(۳) یہ جانا تھا نہ آئیں گے تو کیوں جانے دیا ان کو
یہی اے داغ پچھتاوا مجھے آتا ہے رہ رہ کر

اس شعر میں "جانا" کا لفظ دو دفعہ استعمال
ہوا ہے۔ ایک دفعہ "معلوم ہونے" کے معنوں میں اور
دوسری دفعہ "چلے جانے" کے معنوں میں۔

(۴) عشق منہ پر مرے لکھا ہے تو کیا اس کا علاج
جان پہچان نہ تھی اور وہ پہچان گئے

ایک ہی مصرعہ میں "پہچان" بمعنی واقفیت اور
"پہچان" بمعنی شناخت استعمال کرنے سے بات میں
جو لطف پیدا ہوا ہے وہ ظاہر و باہر ہے۔

(۵) خواب راحت سے جو اٹھے ہیں وہ کلمہ پڑھتے
نظر آئی کسی پاک نظر کی صورت

"نظر" بمعنی دکھائی دینا اور "نظر" بمعنی نگاہ
دونوں کو ایک ہی مصرعہ میں جمع کر دکھایا ہے۔

(۶) کاوش فلک تفرقہ انداز ہمیں سے
کیوں اے خلل انداز یہ انداز ہمیں سے

اردو میں "انداز" کا لفظ بہت سے معنوں میں
استعمال ہوتا ہے۔ ان میں ایک معنے ہیں "ڈالنے والا"
اور ایک معنے ہیں "ناز نخرہ اور ادا"۔ اس شعر میں داغ
نے "انداز" کے لفظ کو بہ تکرار لاکر ان دونوں معانی کو
بڑی خوبصورتی سے ادا کر دکھایا ہے۔

(۷) دل سے پیوستہ ہے خار عشق وہ ہے نازنیں
مجھ کو یہ کھٹکا ہے کھٹکے گا یہاں آتے ہوئے

"کھٹکا" بمعنی ڈر یا خوف اور "کھٹکا" بمعنی
چبھنا۔ ان دونوں الفاظ کا ایک ہی مصرعہ میں اکٹھا
ہونا شعر کی صوتی اور معنوی لطافت میں کس قدر اضافہ
کا موجب ہوا ہے۔

(۸) رنگ لایا ہے ترا رنگ عتاب
چہرہ گلفام ہوا جاتا ہے

اس شعر میں "رنگ لانا" اثر دکھانے کے
معنوں میں اور "رنگ" کا لفظ کیفیت کے معنوں میں
ایک ساتھ استعمال ہوا ہے۔ رنگوں کی اس بوقلمونی نے
انداز بیان کو رنگینی سے ہمکنار کر دیا ہے۔

(۹) ہمارے پاس جو بیٹھے تو کسمسا کے اٹھے
چرا کے آنکھ وہ اپنا بدن چرا کے اٹھے

"آنکھ چرانا" نظر بچانے کو کہتے ہیں اور "بدن
چرانا" جسم سکیڑنے کے معنوں میں آتا ہے۔ چوری کی اس
تکرار سے شعر صوتی اور معنوی حسن سے مالا مال ہو گیا ہے۔

(۱۰) ڈال کر پردہ گئے سیر کو تم پردے میں
خوب بہلی کی سواری میں طبیعت بہلی

پہلے مصرعہ میں "پردہ ڈال کر" اور "پردے میں"
کے جملے مختلف معانی کے آئینہ دار ہیں۔ ایک جگہ پردے
کے معنے ذہن ورائے حجاب ہیں اور دوسری جگہ اس
میں چوری چھپے اور خفیہ طور پر جانے کا مفہوم چھپا ہوا
ہے۔ اسی طرح دوسرے مصرعہ میں "بہلی" کا لفظ بہ تکرار
استعمال کرکے ایک جگہ باپردہ بیل گاڑی کا ذکر کیا گیا ہے

اور دوسری جگہ اس سے تفریح کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ بہر حال اس تکرار نے شعر کو حد درجہ مرصّع اور لطیف بنا دیا ہے۔

(۱۱) جیت کر بازی سرِ مقتل بھی بازی لے گئے
ہم نہ تھے ایسے کہ جانبازی کی بازی ہارتے

اس شعر میں "بازی" کے لفظ کو پہلی بار شرط کے معنوں میں دوسری بار مات دینے کے معنوں میں، تیسری بار جان پر کھیل جانے کے معنوں میں اور چوتھی بار پھر شرط کے معنوں میں استعمال کر کے حُسنِ سخن کو اس عمدگی سے نکھارا گیا ہے کہ طبیعت میں اہتزاز کی کیفیت پیدا ہوئے بغیر نہیں رہتی۔

(۱۲) آم کی بجلی نہیں جس سے نہ پہنچے کچھ گزند
جان پر بجلی گرائے گی یہ بجلی کان کی

"بجلی" کا لفظ اس شعر میں تین بار استعمال ہوا ہے لیکن ہر بار نئے معنوں میں۔ آم کی گٹھلی کے اندر جو مغز ہوتا ہے اسے "بجلی" کہتے ہیں، مزید برآں پرانے زمانہ میں کان کے ایک زیور کو بھی بجلی کہتے تھے، تیسرے "بجلی گرانا" قیامت ڈھانے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ "بجلی" کی یہ تکرار بجلی کے بار بار کوندنے کے مترادف ہے جس سے چکا چوند کی کیفیت پیدا ہو کر شعر کے حسن کو دوبالا کر رہی ہے۔

الغرض داغ کے کلام میں زبان اور اندازِ بیان کی بے شمار خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ دلی کی ٹکسالی زبان میں کمال خوبصورتی کے ساتھ اظہارِ خیال کا ملکہ، محاورات استعمال کرنے کا محاورہ، تکرارِ الفاظ کے ذریعہ حُسنِ سخن کو دوبالا کرنے کا ڈھنگ، ایک ہی لفظ کو بیک وقت مختلف معانی میں استعمال کرنے کا سلیقہ، جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے داغ بہت اونچے مقام پر فائز نظر آتے ہیں۔ اور ان اوصاف کے پیشِ نظر بادشاہِ سخن کہلانے کے بجا طور پر مستحق ہیں۔

مَیں اس مقالہ کو جناب سیّد امجد علی صاحب اشہری کے درج ذیل اشعار پر ختم کرتا ہوں جن میں انہوں نے داغ کی زبان اور اندازِ بیان کے اوصاف کی طرف بہت لطیف پیرایہ میں اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

تھے فصیح الملک داغِ دہلوی فخرِ زماں
ناز کرتی اُن کے اندازِ سخن پر ہے زباں
دلربا ہے داغ کا ہر ایک طرزِ جانفزا
جاں فزا ہے دلربائی میں عجب حُسنِ بیاں
زمزموں سے ان کے گلزارِ سخن فردوس تھا
ان کو زیبا تھا خطابِ بلبلِ ہندوستاں
مَیں دکن میں سُن چکا ہوں ان کے نغمے چند بار
آفریں حُسنِ تکلم مرحبا لطفِ بیاں

مشہور سائنسدان سر آئزک نیوٹن کہتا ہے:۔
"کائنات کے اجزاء میں باوجود ہزاروں انقلابات زماں و مکاں کے، جو ترتیب و تناسب ہے، وہ ممکن نہیں کہ بغیر کسی ایک ذات کے پایا جاسکے۔ جو سب سے اوّل ہے اور صاحبِ علم و صاحبِ اختیار ہے۔"
(مرسلہ: سلطان احمد مبشر)

تحقیقی مقالہ

سانپوں کی اقسام

(قسط چہارم)

(جناب پروفیسر محمد شریف خان ـــــ ربوہ)

سلسلہ کے لئے دیکھئے ماہنامہ خالد ماہ مئی ۱۹۸۱ء۔

پہلی تین اقساط میں سانپ کی زندگی سے متعلق کچھ دلچسپ حقائق بیان کئے گئے ہیں۔ کوشش کی گئی تھی کہ سانپ کی زندگی سے متعلق تمام پہلو آجائیں۔

زیرِ نظر قسط میں سانپ کی اقسام سے متعلق عام فہم زبان میں افادۂ عام کے لئے معلومات مہیا کی گئی ہیں۔ اس سے قبل کہ نفسِ مضمون شروع کیا جائے ابتداءً چند باتیں جاننا ضروری ہیں۔ جس سے باقی مضمون کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

ایک موٹے اندازے کے مطابق ۱۲ ہزار اقسام کے سانپ دنیا کے مختلف خطوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ اتنا متنوع گروہ ہے کہ اس کی صحیح ترتیب ابھی تک ممکن نہیں ہو سکی، شاید کبھی ممکن ہو۔ بعض قسم کے سانپ پرانے اور نئے خواص کا ایسا امتزاج پیش کرتے ہیں کہ ان کا نرالا پن ماہرین کے لئے ایک مسئلہ بن جاتا ہے جبکہ بعض کے اوصاف صاف اور بیّن ہیں اور مسائل کا باعث نہیں بنتے۔ بہرحال زیرِ نظر قسط میں اُن جزئیات میں جائے بغیر ہم نے کوشش کی ہے کہ مجملاً سانپ کو اس کی قبیلوں تک اس طرح ترتیب دیں کہ عام قاری کی سمجھ میں بھی آجائے اور ماہرین کے معیار پر بھی پُورا اُترے۔

ہر قبیل کے چیدہ چیدہ اوصاف کے بیان کے علاوہ افادۂ عام کے لئے اس میں پائے جانے والے مشہور مشہور سانپوں کا کسی قدر تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ خاص طور پر پاکستان میں پائے جانے والے سانپوں سے متعلق معلومات مہیا کی گئی ہیں۔

ماہرینِ حیاتیات پودوں اور جانوروں کے مطالعے کے وقت اُن کے جسمانی اوصاف کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں۔ اس بنا پر وہ انہیں مختلف انواع (SPECIES) گروہوں (GENERA) اور قبیلوں (FAMALIES) میں تقسیم کرتے ہیں۔

یہ تقسیم اس طرح کی جاتی ہے کہ مطالعہ کرنے والے کو ان بظاہر مختلف نظر آنے والے جانوروں میں نظم و ضبط ربط و ترتیب کا پتہ چلتا ہے اور ان کی طے شدہ ارتقائی منازل سامنے آتی ہیں جس سے زندگی کی پیدائش اور پھر اس میں اختلاف کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

اس تقابلی مطالعہ کی بنا پر ماہرین دوسرے لوگوں کی سہولت کے لئے مختلف گروہوں میں اختلاف کی بنا پر ایک "ترکیبِ پہچان" (KEY FOR IDENTIFICATION) وضع کرتے ہیں۔ جس پر توجہ دے کر ایک عام قاری بآسانی کسی بھی جانور کا مقام اس کی قدرتی ترتیب میں متعین کر سکتا ہے۔ چنانچہ درج ذیل ترکیبِ پہچان پاکستان میں پائے جانے والے سانپوں سے متعلق ہے۔ یہ ان سانپوں کو ان کی قبیل تک پہچان کرنے میں مدد دیتی ہے۔

اس ترکیبِ پہچان میں نمبر وار دو دو فقرات پر مشتمل بند درج ہیں۔ ہر فقرہ دو حالتیں (ا) اور (ب) ظاہر کرتا ہے۔ اس ترکیب کے بند نمبر ا سے شروع ہوتیے اس کے فقرہ (ا) اور (ب) میں بیان شدہ اوصاف اپنے زیرِ مطالعہ سانپ میں دیکھئے۔ اگر بیان شدہ اوصاف آپ کے زیرِ نظر سانپ میں موجود ہیں تو سامنے لکھے ہوئے نمبر کے بند تک پہنچیے اور پھر (ا) اور (ب) فقرات میں درج شدہ اوصاف پڑھیے اور اسی طرح آگے بڑھتے جائیے یہاں تک کہ آپ کسی نام تک پہنچ جائیں۔ زیرِ نظر سانپ مذکورہ قبیل سے متعلق ہے۔

انواع اور مزید گروہوں تک سانپوں کی پہچان ذرا مشکل ہے۔ اس کے لئے سانپ کے جسم کے اوصاف کا مزید گہرا علم درکار ہے۔ ایک عام قاری کے لئے سانپ کو اس کی قبیل تک پہچان لینا ہی کافی ہے۔

شکل نمبر ا

بے زہر سانپ کے ظہری، جانبی اور زیریں چھلکے۔

پاکستان میں پائے جانے والے سانپوں کی قبیلوں کی ترکیب پہچان :-

۱- (ا) آنکھیں غیر معلوم مدھم سی، جسم کینچوا نما،
سارے جسم کے چانے ایک جیسے (شکل نمبر ا) ۲

(ب) آنکھیں نمایاں، جسم سانپ جیسا
پیٹ کے چانے باقی جسم کے چانوں سے
چوڑے اور نمایاں (شکل نمبر ۲، ۳) ۳

ایک گذارش

اگر کسی صاحب کے ذہن میں کوئی سوال ابھرے تو وہ مدیر صاحب خالد کی وساطت سے رجوع فرما سکتے ہیں۔

شکریہ

۲-(ا) دانت صرف اُوپر والے جبڑے میں .... ٹفلو پیڈی
(TYPHLOPIDAE)
(ب) دانت صرف نچلے جبڑے میں ...... لیپٹوٹفلو پیڈی
(LEPTOTYPHLOPIDAE)

زیریں چھلکے
جانبی چھلکوں کی قطاریں
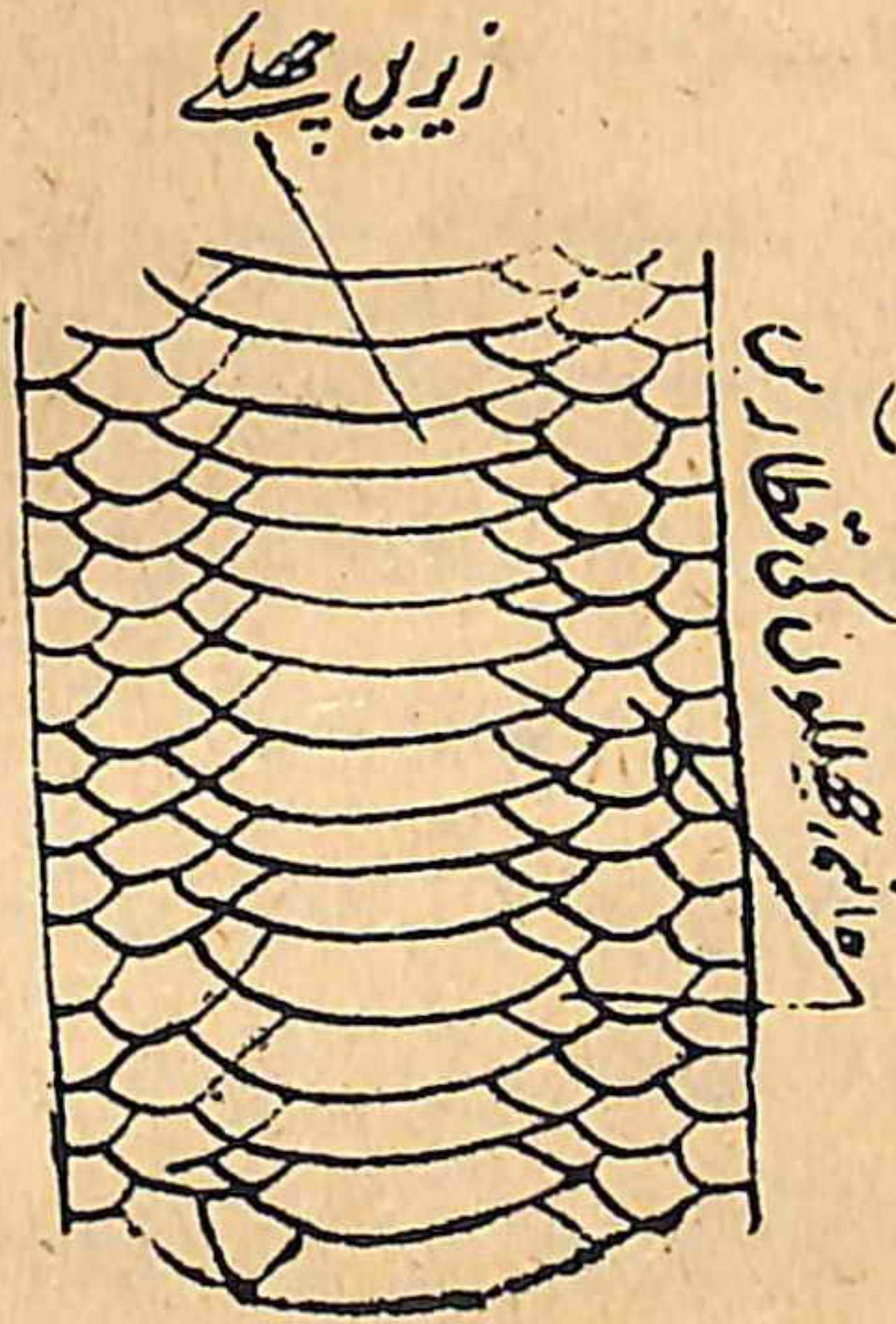
شکل نمبر۲ قبیل بوئیڈی کے بے زہر کے سانپ کی زیریں طرف

۳-(ا) پیٹ کے چانے گو باقی چانوں سے نمایاں
لیکن جانبین تک نہیں پہنچ پاتے۔ (شکل نمبر۲) .... بوئیڈی
(BOIDAE)
(ب) پیٹ کے چانے جسم کی چوڑائی کے ساتھ
ساتھ جانبین تک پہنچ جاتے ہیں۔ (شکل نمبر۳) ۴
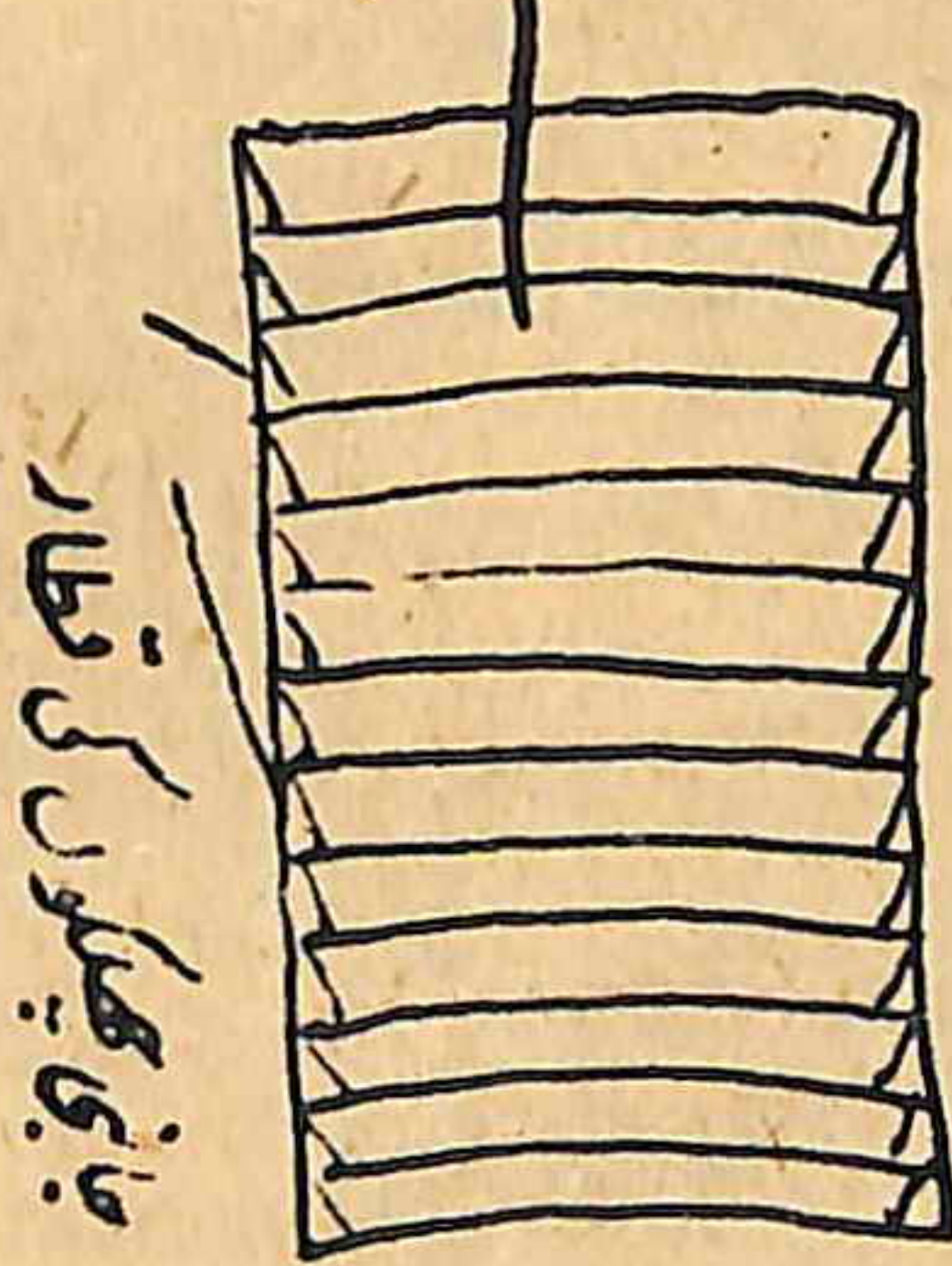
زیریں چھلکے
جانبی چھلکوں کی قطار

شکل نمبر۳ زہریلے سانپ کی زیریں طرف (پھُرسا یا ڈوبیا)

۴-(ا) مُنہ کے سامنے والے دانت نمایاں
بڑے کچلیوں کی شکل میں ۵
(ب) سارے دانت یکساں۔ (شکل نمبر۴) ۶
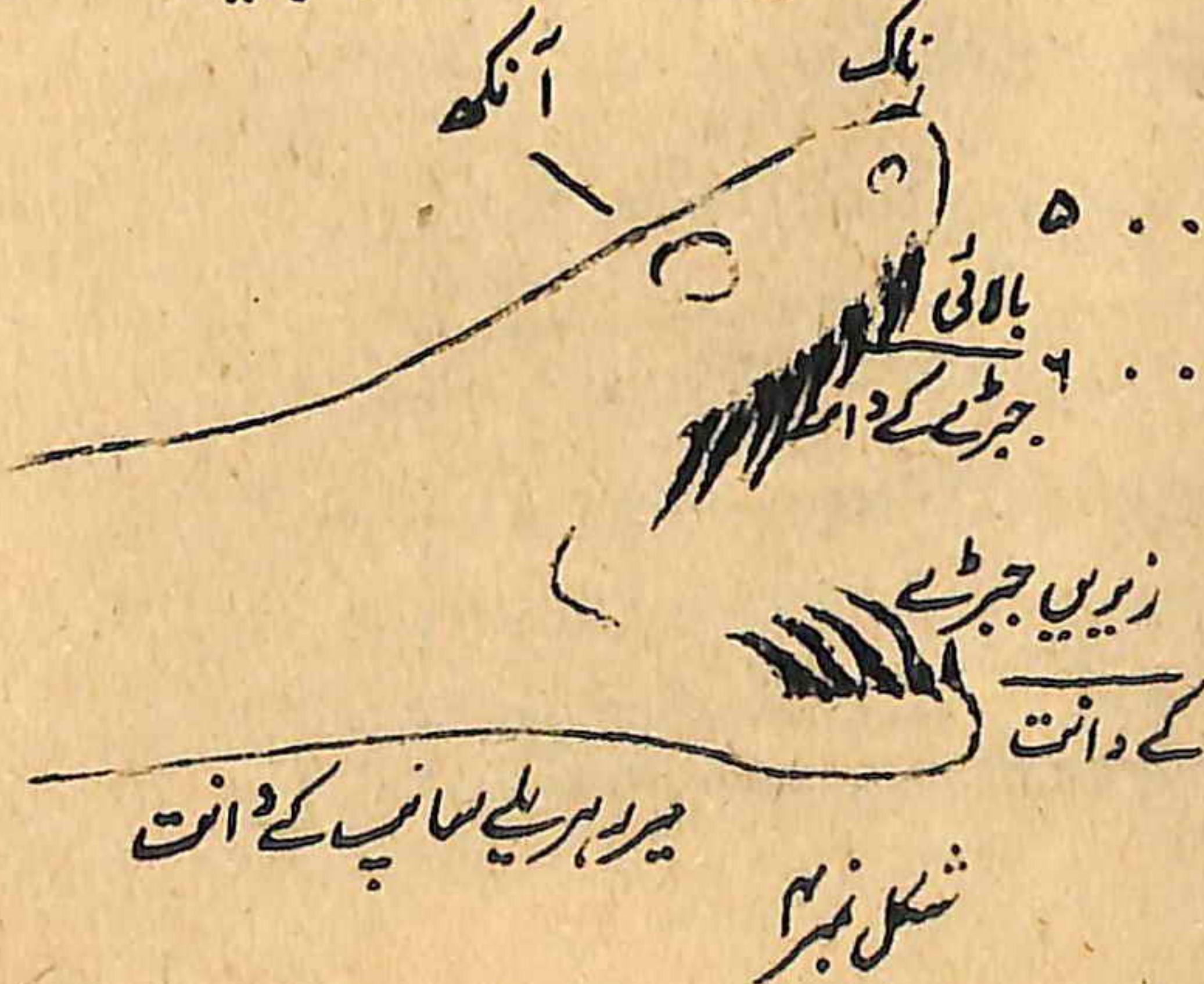
آنکھ
ناک
بالائی جبڑے کے دانت
زیریں جبڑے کے دانت
غیر زہریلے سانپ کے دانت
شکل نمبر۴

۵- (ا) کچلی دار بڑے دانت سیدھے۔ منہ بند ہونے پر تہہ نہیں ہوتے اور غلاف کے بغیر۔ سر کے چانے بڑے۔ (شکل نمبر۵) ... الاپیڈی ... ۷

(ELAPIDAE)

شکل نمبر۵ قبیل الاپیڈی میں کچلیاں اور زہریلے غدود

(ب) کچلی دار دانت بڑے پچھلی طرف مڑے ہوئے منہ بند ہونے پر تہہ ہو جاتے ہیں۔ غلاف کے اندر ڈھکے رہتے ہیں۔ سر پر چھوٹے چانے۔ (شکل نمبر۶، ۷) .... وائیپرڈی

(VIPERIDAE)

شکل نمبر۶، ۷ قبیل وائی پریڈی میں کچلیاں اور زہریلے غدود۔

۶- (ا) سارے دانت یکساں، غیر کچلی دار.... ..... (شکل نمبر۴) ذیلی قبیل کلوبرائینی ......

(COLUBRINAE)
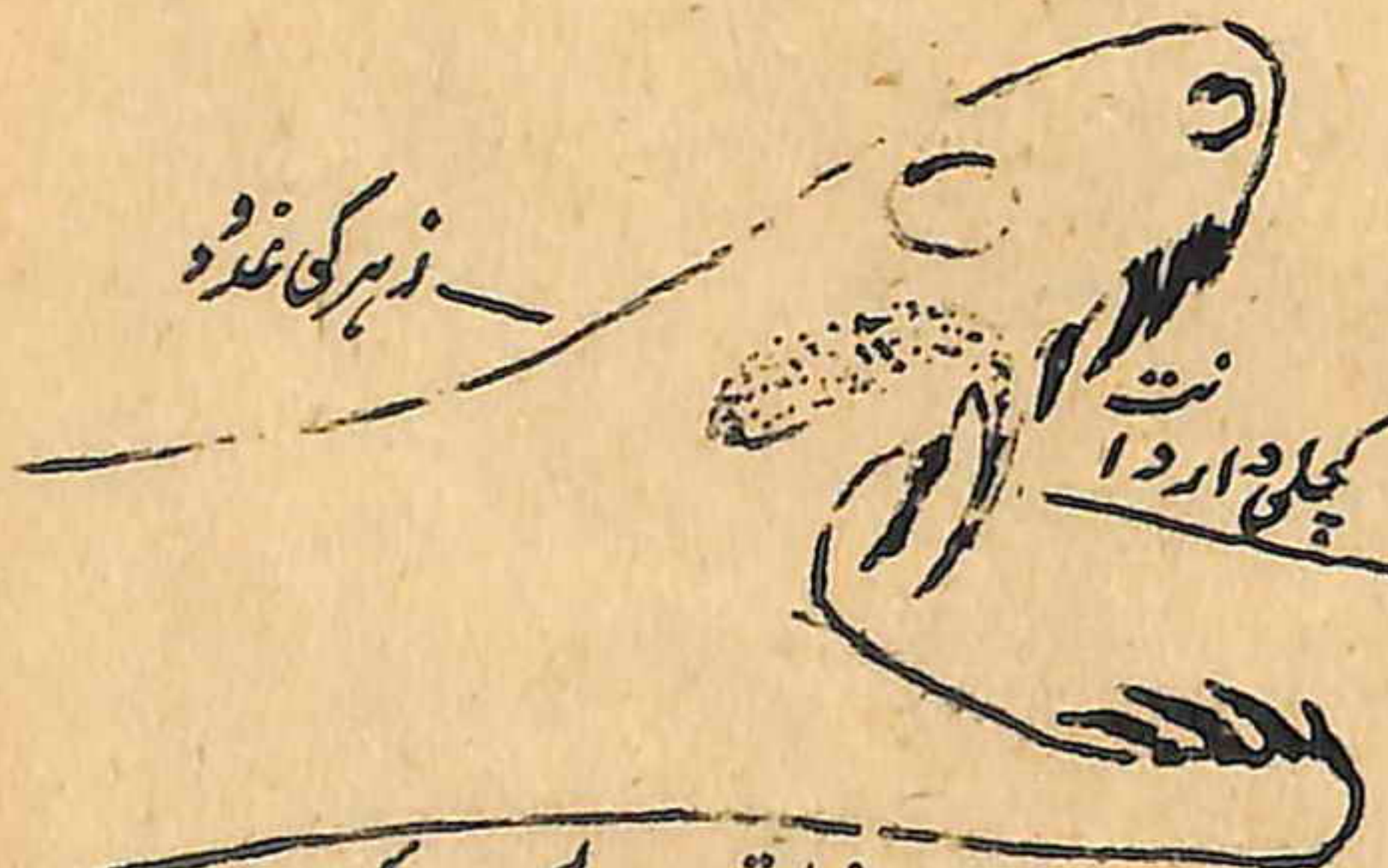
(ب) پچھلے جبڑے کے پچھلے دانت بڑے اور کچلی دار۔ (شکل نمبر۸) ..... ذیلی قبیل بوئیجینی

(BOIGENAE)

شکل نمبر۸ ذیلی قبیل بوئی جینی میں کچلیاں اور زہریلے غدود

۷- (ا) دم گول خشکی پر پائے جانے والے سانپ .... ذیلی قبیل الاپینی

(ELAPINAE)

(ب) دم چپٹی، سمندر میں پائے جانے والے سانپ ... ذیلی قبیل ہائیڈروفینی

(HYDROPHYNAE)

(باقی)

(بقیہ صؔ)

کرو اور اس کے بندوں پر رحم کرو۔ اور اُن پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو اور کسی سے تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو اور کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو۔ غریب اور حلیم اور نیک نیّت اور مخلوق کے ہمدرد بن جاؤ تا قبول کئے جاؤ۔"
(کشتی نوح)

(۳) "دیکھو میں اِس امر کے لئے مامور ہوں کہ تمہیں بار بار ہدایت کروں کہ ہر قسم کے فساد اور ہنگامہ کی جگہوں سے بچتے رہو اور گالیاں سُن کر بھی صبر کرو۔ بدی کا جواب نیکی سے دو اور کوئی فساد پر آمادہ ہو تو بہتر ہے کہ تم ایسی جگہ سے کھسک جاؤ اور نرمی سے جواب دو۔"
(ملفوظات جلد ہفتم صؔ ۲۰۴)

قائدین کرام و ناظمین تجنید خدام الاحمدیہ توجہ فرمائیں!

لائحۂ عمل کے مطابق ہر مجلس کے لئے ضروری ہے کہ وہ فہرست تجنید خدام برائے سال ۸۲-۱۹۸۱ء ماہ ظہور (اگست) میں مکمل کر کے مرکز میں بھجوائے ــــــ فہرستہائے تجنید تیار کرتے وقت درج ذیل امور کا خاص اہتمام فرمائیں :۔

آپ کی مجلس کے پندرہ سے چالیس سال کی عمر کے ہر احمدی نوجوان کا نام فہرست میں ضرور درج ہو۔

فارم تجنید پر مطلوبہ کوائف کا اندراج صحیح، واضح اور مکمل ہو۔

اگر آپ کی مجلس میں خدام کی تعداد پندرہ سے زیادہ ہے تو انہیں قریباً دس دس کے حزب میں تقسیم کر کے ہر حزب پر ایک سائق کا تقرر فرمائیں۔

لائحۂ عمل میں مندرج ہدایات کے مطابق اپنے ہاں ایک رجسٹر تجنید تیار کر کے خدام کے جملہ کوائف اس میں درج فرمائیں۔

اگر آپ کی مجلس کے کوئی خادم تعلیم، ملازمت یا کاروبار کے سلسلہ میں کسی دوسری جگہ مقیم ہیں تو اُن کے نام و مکمل پتہ سے مرکز کو آگاہ کریں تا متعلقہ مجلس کے قائد صاحب کو اُن سے رابطہ کے لئے اطلاع دی جا سکے۔

امید ہے آپ اپنی مجلس کی مکمل تجنیدِ خدام بر وقت مرکز میں پہنچا کر ممنون فرمائیں گے کَانَ اللّٰہُ مَعَکُمْ۔

(مہتمم تجنیدِ خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

Monthly **KHALID** Rabwah

REGD. NO. L 5830 | Editor: KHALID MASOOD | August 1981

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدام الاحمدیہ کا
سالانہ
اجتماع

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی منظوری سے اعلان کیا جاتا ہے کہ مجلس خدام الاحمدیہ کا سینتیسواں (۳۷) سالانہ اجتماع خدا تعالیٰ کے فضل و احسان سے اس کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ انشاء اللہ العزیز مورخہ ۲۳-۲۴-۲۵ اخاء ۱۳۶۰ھ بمطابق ۲۳-۲۴-۲۵ اکتوبر ۱۹۸۱ء اپنی شاندار روایات کے ساتھ ربوہ میں منعقد ہوگا۔

خدام الاحمدیہ اپنے اس اجتماع کی ابھی سے تیاری شروع فرمائیں!

محمود

صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ